پیارے نبیؐ
کی پیاری کہانیاں
ایوارڈ یافتہ

فہرست

فہرست تصاویر

تعارُف

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی دلچسپ واقعات سے بھری پڑی ہے۔ "پیارے نبیؐ کی پیاری کہانیاں" انہی دلچسپ واقعات کی اس انداز سے عکاسی ہے کہ ہر عمر کے پڑھنے والے انسانی تاریخ کی عظیم ترین شخصیت کے حالاتِ زندگی سے بخوبی لطف اندوز ہو سکیں۔

اس مجموعہ کے بعض قصے کہانیاں وطن کے نامور جریدوں اور رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کی اشاعت کے بعد مصنف پر فرمائشوں کی بھرمار ہوئی کہ انھیں یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ اب اس اُردو ایڈیشن کے علاوہ یہ کہانیاں انگریزی زبان میں بھی شائع کی جا رہی ہیں۔

بنیادی مقصد یہ ہے کہ ولادت سے وصال تک سیرتِ رسولؐ کے تمام اہم واقعات اور حالات کو دلچسپ تصویری کہانیوں کی شکل میں اس طرح پیش کر دیا جائے کہ ہر سطح کے پڑھنے والے کے ذہن میں حضورؐ کی عظیم سیرت اور عظیم کردار کا خاکہ بآسانی کھنچ جائے۔

اس اعتبار سے اس دلچسپ کتاب کو عام فہم سیرتی ادب میں منفرد تصنیف ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے بھی اس تصنیف کو بہترین کتابوں کا قابلِ فخر ایوارڈ دیا گیا ہے۔

سیرت کے واقعات کی صحیح سُوجھ بوجھ کے لیے چند تصویریں اور نقشے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ کسی قسم کی ایسی تصویر شامل نہیں کی گئی جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ مُصوّری کا تمام کام پاکستان کے مشہور مصوّر جناب محمود حسن رُوی کی ذاتی نگرانی میں ہُوا ہے۔

1

سدا بہار پھول کی کہانی

- سدا بہار پھول کی مہک
- بہترین انسان کی پیدائش
- ولادت کی مسرتیں اور ضیافتیں
- دودھ ماں کی تلاش میں دقتیں
- مریل گدھی اور بوڑھی اونٹنی

بہار ایک وجد آفریں موسم ہے۔ گلستانوں میں نئی کونپلیں، نئے شگوفے پھوٹتے ہیں۔ ڈالی ڈالی خوشنما پھول کھل اٹھتے ہیں۔ رنگا رنگ پرندوں کے سہانے نغمے دل لبھاتے ہیں۔ فضا میں ہر سو مسرتوں اور مسکراہٹوں کی لہر سی دوڑ جاتی ہے۔ خشک ویرانوں میں بھی شادابی کا رنگ جمنے لگتا ہے۔ پریشان ذہنوں اور پژمردہ چہروں پر اُمید اور زندگی نئی کروٹیں لینے لگتے ہیں۔

پھر جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں بہار کی رونق ماند پڑتی جاتی ہے۔ پھول مرجھانے لگتے ہیں۔ ہنستے بستے چمن زار سونے سونے لگتے ہیں۔ اور ایک دن ایسا بھی آتا ہے جب پھولوں کی تمام خوشبو غائب ہو جاتی ہے اور لوگ اگلی بہار تک سبزہ اور مہک کو ترستے ہیں۔

An Ever - Fragrant Flower

سدا بہار پھول کی مہک

کوئی ڈیڑھ ہزار برس کی بات ہے کہ ہماری اِس کائنات میں ایک ایسی حیرت انگیز بہار آئی تھی جو پھر کبھی ختم ہی نہ ہُوئی۔ اُس بہار ایک باغ میں ایک خوشنما پھول کھِلا تھا جس کی مہک بے حد مفرّح تھی۔ بہار ختم ہوئی۔ خزاں گزری۔ گرما شروع ہُوا۔ سرما کے تُند و تیز جھونکے چلے۔ پودوں اور درختوں سے رونق ختم ہُوئی۔ پرندوں نے چہچہانا چھوڑ دیا۔ مگر اُس سدا بہار پھول پر اِس سے کوئی ناگوار اثر مرتّب نہ ہُوا۔ اس کی مہک بس بڑھتی ہی چلی گئی۔ پھر ہوا کے جھونکوں نے اُس حسین پھُول کے بیج اور کونپلیں دُنیا کے بے شمار باغوں میں پھیلا دیں۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے کائنات کے گوشے گوشے میں خوش نما پھُولوں کی ایسی دلفریب قسمیں پھیلنے لگیں جن کی مہک سدا بہار تھی۔ جن کے گرد پرندے ہر موسم میں محبّت اور مسرّت کے گیت گاتے تھے اور جو افسردہ چہروں کو نئی رونق اور نئی زندگی بخشتے تھے۔

وہ حسین پھُول آج بھی ساری دُنیا کے باغوں کی زینت ہے۔ ہر خطّہ کے لوگ اس سدا بہار پھُول کی خوشبُو سے لُطف اندوز ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اِس خوشنما پھُول کو کِھلے مُدّتیں بیت چکی ہیں۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اِس کی مہک میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اور آج بھی لوگ مانتے ہیں کہ ایسا دلفریب پھُول کبھی کہیں کِھلا ہے اور نہ کِھلے گا۔ سدا بہار کے اِس حسین پھُول کی کہانی انوکھی بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

Birth of a Blissful Being

بہترین انسان کی پیدائش

یہ پیارا پھول موسمِ بہار میں جزیرہ نمائے عرب کے مشہور شہر مکہ میں کھلا تھا۔ اُس علاقے کے مروجہ کیلنڈر کے مطابق یہ مبارک دن پیر ۱۲ ربیع الاوّل، عام الفیل تھا۔ عیسوی حساب سے آپ کا یومِ ولادت ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بنتا ہے۔ اُس مسرتوں بھرے دن دُنیا کے سب سے بڑے اور سب سے پیارے انسان یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔

آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ اور والدہ محترمہ کا نام آمنہ تھا۔ عبداللہ بہت نیک سیرت اور بلند کردار نوجوان تھے۔ حضرت آمنہ اپنے نیک شوہر کی طرح نہایت بلند اخلاق خاتون تھیں۔ آپ کے دادا عبدالمطلب مشہور قبیلہ قریش کے معزز سردار بھی تھے اور مکہ شہر کے رئیس بھی۔ چنانچہ آنحضور کے والد اور والدہ دونوں اطراف سے اعلیٰ خاندانی اوصاف اور اچھی شہرت میں پروان چڑھے۔

اُس زمانے کے عرب میں دستور تھا کہ شادی کے بعد دُلہا میاں کچھ عرصہ دُلہن کے ہاں قیام کیا کرتا تھا۔ چنانچہ جناب عبداللہ شادی کے بعد تین دن تک اپنی محترم بیوی آمنہ کے گھر ٹھہرے رہے۔ پھر آمنہ بی بی کو ساتھ لے کر اپنے آبائی گھر لوٹ آئے۔ کچھ عرصہ بعد تجارت کے سلسلہ میں آپ کو شام جانا پڑا۔ واپسی پر چند ماہ سفر میں رہنے کے بعد آپ مکہ لوٹتے ہوئے مدینہ ٹھہرے تو بیمار پڑ گئے۔ یہ علالت جان لیوا ثابت ہوئی اور آپ انتقال فرما گئے۔ آپ کو مدینہ ہی میں دفن کر دیا گیا۔

آپ کی وفات کی خبر مکہ پہنچی تو آپ کے گھر کہرام مچ گیا۔ اپنے جواں سال رفیقِ حیات کی بے وقت موت کے صدمہ سے حضرت آمنہ رنج و غم

میں ڈوب گئیں۔ سردار عبد المطلب بھی نوجوان بیٹے کی ناگہانی موت سے بے حد پریشان ہوئے۔

ولادت کی مسرتیں اور ضیافتیں

دن گزرتے گئے اور کچھ عرصہ بعد غم زدہ آمنہ کے ہاں ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ جس سے اُن کی افسردہ طبیعت قدرے سنبھلنے لگی۔

آپؐ کے دادا عبدالمطلب کو پوتے کی پیدائش کی خبر ملی تو خوشی سے جھوم اُٹھے۔ سب کام کاج چھوڑ کر اپنی بیوہ بہو کے گھر پہنچے۔ نومولود کو سینے لگایا اور اُسے چومتے چاٹتے خانہ کعبہ میں جا داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور آپؐ کے لیے دعائیں مانگیں۔ پھر واپس لوٹے اور بچے کو آرام سے حضرت آمنہ کی گود میں ڈال دیا۔ کافی سوچ بچار کے بعد آپ نے پوتے کا نام محمدؐ رکھا۔ اس خوبصورت عربی لفظ کا مطلب ہے "قابلِ تعریف"۔ گو عرب میں اس قسم کے ناموں کا رواج نہ تھا مگر آپ کو یہی نام پسند آیا۔

ولادتِ سعید کے ساتویں روز سردار عبدالمطلب نے ایک نفیس اُونٹ ذبح کیا اور قبیلہ قریش کے تمام لوگوں کو اپنے ہاں ضیافت پر مدعو کیا۔ کھانے کے بعد مہمانوں نے پوچھا کہ آپ نے نومولود کا نام آباء و اجداد کے ناموں پر رکھنے کی بجائے ایک قدرے غیر مانوس سے نام کا انتخاب کیوں کیا ہے ؟

آپ نے جواب دیا : "میری خواہش ہے کہ یہ بچہ خُدا اور بندوں کے نزدیک آسمان اور زمین پر تحسین و آفرین کا اہل ثابت ہو۔"

مکۂ مکرمہ کا وہ تاریخی مکان (بائیں جانب) جہاں آنحضورؐ پیدا ہوئے

دُودھ ماں کی تلاش میں دِقتیں

مکّہ کے شریف اور امیر گھرانوں کا دستور تھا کہ جب ان کے نوزائیدہ بچّے آٹھ دن کے ہو جاتے تو وہ انھیں دُودھ پلانے والی ایسی مخصوص عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے جو صحراؤں میں رہتی تھیں۔ ان عورتوں کو فنِ دایہ گری میں خاص مہارت ہوتی تھی۔ وہ شرفائے شہر کے اِن شیر خوار بچّوں کو اپنے ساتھ صحرا کی کھلی فضا میں لے جاتیں اور وہیں اُن کی تربیت اور پرورش میں مصرُوف ہو جاتیں۔ اِن خدمات کا اُنھیں باضابطہ معاوضہ ملتا۔ بچّوں کی پرورش کرنے والی یہ صحرا نورد عورتیں اکثر مکّہ میں آتی جاتی رہتیں اور اپنی پسند کے شیر خوار بچّوں کی تلاش میں رہتیں۔ جب ایسے بچّے ذرا سیانے ہو جاتے تو اُنھیں اُن کے والدین کو لَوٹا کر اپنی محنت کا معقول معاوضہ وصُول کر لیتیں۔

آنحضرتؐ کی ولادت کے چند روز بعد مکّہ کے نواحی صحراؤں کی چند دایہ عورتیں شیر خوار بچّوں کی تلاش میں قافلہ کی صُورت شہر میں داخل ہُوئیں۔ اِس قافلہ میں بوڑھی اور لاغر حلیمہ سعدیہ بھی شامل تھیں۔ اتفاق سے قافلے کی سب عورتوں کو کوئی نہ کوئی شیر خوار بچّہ مل گیا۔ مگر ضعیف و ناتواں حلیمہ کی گود خالی کی خالی رہی۔ حضورؐ کی والدہ نے تقریباً تمام عورتوں سے آپؐ کے لیے بات چیت کی مگر اس خیال سے کہ ایک یتیم بچّے کے گھر سے کیا معاوضہ ملے گا ہر دایہ آپؐ کو گود لینے سے صاف انکار کرتی رہی۔

جب حضرت آمنہ نے بی بی حلیمہ کو اس کام کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی تو اس کے دِل میں یہی خیال آیا کہ وہ ایک یتیم بچّے کو لے کر کیا کرے گی۔ اُس کی بے سہارا والدہ پرورش کی محنت کا معقول معاوضہ کیسے ادا کر سکے گی۔

چنانچہ باقی دایوں کی طرح اُس نے بھی ننھے محمدؐ کو گود میں لینے سے معذوری ظاہر کردی۔

اِتنے میں دایہ عورتوں کا قافلہ صحرا کی جانب واپس لوٹنے لگا تو حلیمہ کو کوئی کام نہ ملنے سے فکر دامن گیر ہوئی۔ وہ سخت شش و پنج میں پڑ گئی۔ اُس نے اپنے خاوند حارث سے صلاح مشورہ شروع کیا۔ اُس کا خیال تھا کہ خالی ہاتھ گھر لوٹنے سے بہتر ہے کہ اِس یتیم بچے ہی کو ساتھ لے لیا جائے، جسے گود لینے کو کوئی بھی راضی نہ ہوتا تھا۔ حارث کو بھی یہ بات پسند آگئی۔ وہ بولا : " ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ کیا عجب کہ ہمارے لیے اسی میں بہتری ہو۔" چنانچہ حلیمہ نے بالآخر حضرت آمنہ کی تجویز قبول کرلی اور حضورؐ کو گود میں لے لیا۔

مریل گدھی اور بوڑھی اُونٹنی

اس رسمی کارروائی کے بعد دونوں میاں بیوی قافلہ کے ہمراہ اپنے صحرائی خیمہ کی طرف لوٹنے کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ حلیمہ کے پاس سواری کیلئے فقط بھورے رنگ کی ایک دُبلی پتلی گدھی اور دُودھ کے لیے ایک بوڑھی اُونٹنی تھی۔ اُن دِنوں مکہ کے گرد و نواح کا علاقہ سخت خشک سالی اور شدید قحط کی زد میں تھا۔ جانوروں کے لیے چارہ وغیرہ مہیا کرنے میں بہت دِقتیں پیش آتی تھیں۔ آتی دفعہ حلیمہ بی بی اس دُبلی پتلی اور بھوکی پیاسی گدھی پر سوار ہوکر بڑی مشکل سے مکہ پہنچی تھیں۔ راستہ میں اُن کی مریل گدھی قافلہ کی باقی گدھیوں سے بار بار پیچھے رہ جاتی تھی۔ اُس کی ہمسفر عورتوں کو حلیمہ کی اس سست رفتاری پر بہت اُلجھن محسوس ہوتی تھی اور وہ غصے میں حلیمہ بی بی کو سارا راستہ کوستی چلی آئیں تھیں۔

ننھے محمدؐ کی والدہ سے بات طے ہو گئی تو بی بی حلیمہ نے آپؐ کو سینے سے لگا لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُن کی خشک چھاتی میں دُودھ اُتر آیا۔ حضورؐ نے خُوب جی بھر کے دُودھ پیا۔ آپؐ کے ساتھ حلیمہ بی بی کے اپنے بچّے یعنی آپؐ کے دُودھ بھائی نے بھی خُوب سیر ہو کر دُودھ پیا۔ اور دونوں بچّے اطمینان سے سو گئے۔ حلیمہ حیران بھی تھیں اور خوش بھی۔ اُنھیں اچھی طرح یاد تھا کہ اُنھوں نے اِس سے پہلی رات پریشانی کے عالم میں جاگ کر کاٹی تھی۔ کیونکہ ماں کا دُودھ نہ ملنے کی وجہ سے اُن کا بچّہ رات بھر روتا رہا تھا۔ اُسے اُونٹنی کا دُودھ بھی میسّر نہ آسکا تھا کیونکہ بُوڑھی اُونٹنی کے تھن بھی خشک تھے۔

بی بی حلیمہ کا شوہر حارث اپنی بُوڑھی اُونٹنی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اُس کے تھن دُودھ سے لبالب بھرے ہُوئے ہیں۔ جب اُسے دوہا گیا تو اُس سے دُودھ بکثرت حاصل ہُوا۔ جسے میاں بیوی نے خوب سیر ہو کر پیا اور وُہ رات اُنھوں نے سکون سے گُزاری۔

صُبح ہُوئی تو حارث نے حیرت سے کہا : "اے حلیمہ! مجھے تو پختہ یقین ہونے لگا ہے کہ جس بچّے کو ہم نے گود میں لیا ہے، برکتوں والی کوئی خاص ہستی معلوم ہوتا ہے۔"

حلیمہ مسکرائیں اور بولیں : "مجھے بھی ایسے ہی دکھائی پڑتا ہے۔ کیونکہ ہم پر تو ابھی سے ہی برکتوں اور نعمتوں کی بارش شُروع ہو چکی ہے۔"

جب وہ اپنے صحرائی گاؤں لوٹنے کے لیے تیّار ہو گئے تو حلیمہ نے اپنی مریل گدھی پر سوار ہو کر ننھے مُحمّدؐ کو گود میں بٹھا لیا اور باقی قافلے کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

قدرتِ خُدا کی وُہی مریل گدھی جو آتی دفعہ بار بار سب سے پیچھے

رہ جاتی تھی اور سب کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی اس بار آگے آگے
بھاگنے لگی۔ یہاں تک کہ قافلے کی باقی عورتیں بار بار چلاتی: "اری حلیمہ،
ذرا دھیرے دھیرے چل۔ یہ وہ مریل گدھی تو دکھائی نہیں دیتی جس پر سوار
ہوکر تو ہمارے ساتھ گھر سے نکلی تھی۔" جب حلیمہ انھیں کہتیں کہ یہ تو وہی گدھی
ہے تو کسی کو یقین نہیں آتا تھا۔

شام کے قریب بی بی حلیمہ ننھے محمدؐ کو خوشی خوشی اٹھائے اپنے
صحرائی خیمہ پہنچ گئیں۔

2

ننھے محمدؐ کا ابتدائی بچپن

- پانچ سال صحرا میں
- ننھے محمدؐ کی گمشدگی
- سفر میں والدہ کی وفات
- پُرانی یادیں، پُرانی محبتیں

بی بی حلیمہ ننھے محمدؐ کو گود میں لیے بخیریت تمام اپنے صحرائی گاؤں پہنچ گئیں۔ اس سال قحط کی وجہ سے چراگاہوں میں سبزہ وغیرہ کا نام و نشان تک نہ تھا۔ چنانچہ بکریاں پالنے والے چرواہوں کو بہت دقتوں کا سامنا تھا۔ مگر جب حلیمہ کی بکریاں چراگاہ سے لوٹتیں تو دُودھ سے بھری ہوتیں۔ دُوسرے لوگ جب اپنی بکریاں دوہتے تو خشک تھنوں سے دُودھ کا ایک قطرہ تک ہاتھ نہ آتا۔ مگر حلیمہ کی بکریوں میں دُودھ کی ریل پیل تھی۔ دونوں میاں بیوی جی بھر کے دُودھ پیتے اور بچوں کو بھی پلاتے۔

گاؤں کے باقی چرواہوں کو حلیمہ کی بکریوں پر بہت رشک آتا تھا۔ وہ اپنی بکریوں کو بھی اُسی جگہ چرواتے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی تھیں۔ مگر اس سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ اُن کی بکریاں ویسی کی ویسی بھوکی پیاسی لوٹتیں اور دُودھ کا ایک قطرہ تک نہ دیتیں۔ چنانچہ رفتہ رفتہ گھر گھر اِس بات کا چرچا ہونے لگا کہ

بی حلیمہ نے جس بچے کو گود لیا ہے اُس میں خیر و برکت کا کوئی خاص ہی راز پوشیدہ ہے۔

پانچ سال صحرا میں

بی حلیمہ کی ایک نیک خصلت بچی شیما بھی تھی۔ اُسے آنحضرتؐ سے بہت اُنس تھا۔ وُہی آپؐ کو کھلایا پلایا کرتی تھی۔ حلیمہ ہر چھ ماہ بعد حضورؐ کو مکہ لے آتیں اور آپؐ کی والدہ ماجدہ اور رشتہ داروں کو دکھا کر واپس لے جاتیں۔ جب آپؐ دو برس کے ہوئے تو آپؐ کا دودھ چھڑوا دیا گیا۔ آپؐ شکل و صورت سے بہت صحت مند نظر آتے تھے۔ بی حلیمہ آپؐ کو لے کر حضرت آمنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

حلیمہ اب تک اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں کہ وہی ننھا منا یتیم جسے گود لینے کے لیے کوئی بھی تیار نہ ہوتا تھا، کس قدر حیرت انگیز بچہ تھا۔ انھیں آپؐ سے بے پناہ اُنس بھی ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ آپؐ کو کچھ عرصہ اور اپنے ہاں رکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ اُنھوں نے حضرت آمنہ سے اس خواہش کے بارے میں بات چیت کی۔ اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے بی حلیمہ نے کہا "صحرا کی کھلی فضا ننھے محمدؐ کو بہت راس آئی ہے۔ ویسے بھی مکہ میں وبا پھیلی ہوئی ہے اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ آپ اس نیک شگون بچے کو کچھ عرصہ اور میرے صحرائی خیمہ ہی میں رہنے کی اجازت دے دیں۔"

یہ استدلال اس قدر معقول تھا کہ حضرت آمنہ کچھ عرصہ اور اپنے لختِ جگر سے جُدا رہنے پر راضی ہو گئیں۔ چنانچہ حضورؐ کچھ اور مدت کے لیے حلیمہ کی تحویل میں رہائش کے لیے لوٹا دیے گئے۔ جُوں جُوں آپؐ بڑے ہونے لگے

آپ اپنے دودھ بھائیوں کے ساتھ اکثر بکریاں چرانے بھی نکل جایا کرتے تھے۔ بکریاں چرانے اور گلہ بانی کے ابتدائی تجربے کے علاوہ آنحضورؐ کو بعد کی زندگی میں بھی اس دلچسپ اور مفید شغل کا موقع ملتا رہا۔ چنانچہ آپؐ کئی سال تک اپنے خاندان اور مکّہ کے بعض دیگر اشخاص کی بکریاں چراتے رہے۔ گلہ بانی کے دوران آپؐ کو کائنات اور زندگی پر غور کرنے کے مواقع ملتے رہے۔ آپؐ اپنے اس تجربہ کا ذکر بڑے فخر سے کرتے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔

ننّھے محمّدؐ کی گم شدگی

جب آپؐ پانچ برس کے ہوئے تو بی بی حلیمہ نے سوچا کہ اب آپؐ کو اپنی والدہ کے پاس لوٹا دینا چاہیے۔ چنانچہ وہ آپؐ کو لے کر مکّہ چلی گئیں۔ اتفاق سے آپؐ ان سے چھوٹ کر لوگوں کی بھیڑ بھاڑ میں کھو گئے۔ حلیمہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اُنھوں نے بہتیرا تلاش کیا مگر آپؐ کا کوئی سُراغ نہ ملا۔ تھک ہار کر وہ روتی چلّاتی آپؐ کے دادا سردار عبدالمطلب کے پاس پہنچیں اور اُنھیں سارا واقعہ کہہ سنایا۔

عبدالمطلب سخت پریشان ہوئے اور آپؐ کے مل جانے کی دُعائیں کرتے ہوئے سیدھے خانہ کعبہ جا پہنچے۔ ابھی وہاں کھڑے ہی تھے کہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل اور قریش کے ایک اور نوجوان ملے۔ وہ حضورؐ کو اُٹھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ننھا محمدؐ انھیں مکّہ کی پہاڑیوں میں ملا تھا۔ عبدالمطلب نے دونوں نوجوانوں کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے حضورؐ کو کندھے پر بٹھالیا۔ خانہ کعبہ کے گرد گھومتے رہے اور اپنے پوتے کے لیے دُعائیں مانگتے رہے۔ اِس کے

بعد انھوں نے آپ کو اپنی والدہ کے ہاں بھجوا دیا۔

سفر میں والدہ کی وفات

حضورؐ کی والدہ آپ کو پاکر بے حد خوش ہوئیں۔ چنانچہ آپ اپنے گھر میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ نگہداشت کے لیے ایک نیک خصلت خاتون 'اُمِ ایمن' آپ کی دایہ مقرر ہوئیں۔ آپ تقریباً چھ برس کے تھے کہ آپ کی والدہ نے سوچا کہ مدینہ لے جاکر آپ کو اپنے ماموؤں سے ملایا جائے اور اپنے والد ماجد کی قبر بھی دکھائی جائے۔ چنانچہ آپ کی والدہ آپ، آپ کے دادا عبدالمطلب اور آپ کی دایہ اُمِ ایمن کو ساتھ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئیں۔

مدینہ میں ان لوگوں نے ایک ماہ قیام کیا۔ آپ نے وہاں وہ مکان بھی دیکھا جس میں آپ کے والدِ محترم کا انتقال ہوا تھا۔ غم زدہ والدہ نے آپ کو آپ کے والدِ ماجد کے حالات سنائے ہوں گے۔ چنانچہ ان دنوں آپ کو اپنی یتیمی کا احساس ہونے لگا۔ پھر یہ لوگ مکہ لوٹنے کے لیے روانہ ہوئے۔ مگر ابھی راستے ہی میں تھے کہ ابواء نامی گاؤں میں آپ کی والدہ ماجدہ بیمار ہوئیں اور وفات پاگئیں۔ انھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔

ننھے محمدؐ پیاری والدہ کی اچانک موت پر آبدیدہ ہو گئے۔ انھوں نے والدہ کو والد کی ناگہانی موت پر چھپکے چھپکے آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ اب جب آپ کی والدہ بھی آپ کو تنہا چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئیں تو یتیمی کا پورا بوجھ آپ کے نازک کندھوں پر آ پڑا۔ آپ بے حد افسردہ خاطر ہوئے۔ شفیق دایہ اُمِ ایمن نے آپ کی دلجوئی کی اور دلاسے دیتی ہوئی

حضورؐ کی جائے پیدائش موجودہ حالت میں

آپ کو اپنے ساتھ لے کر مکّہ واپس پہنچ گئیں۔

پُرانی یادیں، پُرانی محبّتیں

اگرچہ اس سفر میں مدینہ میں آپ کا قیام بے حد مختصر تھا تاہم پھر بھی کئی باتیں آپ کے حافظہ میں جُوں کی توں محفوظ رہ گئیں۔ چنانچہ کئی سال بعد جب مدینہ سے گزرے تو ایک مکان کی طرف دیکھ کر فرمایا: "اسی مکان میں میری والدہ نے قیام کیا تھا۔" ایک تالاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "یہی وہ تالاب ہے جس میں نے پیراکی سیکھی تھی۔" ایک میدان کو دیکھا تو فرمایا: "یہی وہ میدان ہے جہاں میں ننھی اُنیسہ سے کھیلا کرتا تھا۔"

اسی طرح بی بی حلیمہ اور اُمّ ایمن کی یاد اور احترام لمحہ بھر کے لیے بھی آپ کے دل سے محو نہ ہوئے۔ آئندہ زندگی میں جب بھی وہ آپ کے پاس آتیں، آپ احتراماً کھڑے ہو جاتے۔ "میری ماں! میری ماں!" کہہ کر اُن سے لپٹ جاتے، اُن کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر اپنے ہاتھوں سے بچھاتے، جب تک وہ بیٹھ نہ جاتیں آپ احتراماً کھڑے رہتے اور اُن سے اس قدر شفقت اور احترام سے باتیں کرتے کہ دیکھنے والے حیرت اور رشک سے دنگ رہ جاتے۔

ایک دفعہ خشک سالی کی وجہ سے مکّہ میں قحط پڑا تو بی بی حلیمہ حضورؐ کے پاس تشریف لائیں۔ آپ نے اُن کی بڑی خاطر مدارت کی۔ جب وہ واپس لَوٹنے لگیں تو آپ نے اُنھیں ایک اُونٹ اور چار بکریاں تحفہ میں پیش

کیں۔

ایک مرتبہ حلیمہ بی بی کی بیٹی شیماء چند اور جنگی قیدیوں کے ساتھ آپؐ کے سامنے پیش کی گئیں۔ آپؐ اُن سے بڑی شفقت اور احترام سے پیش آئے اور اُن کی خواہش کے مطابق اُنھیں فوراً اپنے قبیلہ واپس بھجوا دیا۔

3

ایک انوکھے چرواہے کی دلچسپیاں

- گلّہ بانی سے انسانی رہنمائی تک
- داستان گوئی کی طرف میلان
- تفریحوں سے محروم چرواہا
- عظیم چرواہے کی دلچسپ یادداشتیں

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کو آپؐ کی دیکھ بھال کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے یہ خوش گوار فریضہ کمال شفقت سے ادا کرنا شروع کیا۔ مگر ننھے محمدؐ ابھی والدہ کی وفات کے صدمہ سے ہی نہ سنبھلنے پائے تھے کہ نیک سیرت دادا بھی انتقال کر گئے۔ اس وقت آپؐ کی عمر بمشکل آٹھ سال تھی۔ بچپن ہی سے آپؐ پر غموں اور دکھوں کے جانکاہ بوجھ پے در پے پڑتے رہے۔ جب آپؐ دادا جان کے جنازہ میں شریک ہو کر قبرستان کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ بھر آنسوؤں کی لڑیاں آپؐ کے معصوم گالوں پر مسلسل چھلکتی رہیں۔ ننھے محمدؐ یاس و غم کی ایک مجسّم تصویر دکھائی دیتے تھے۔

سردار عبدالمطلب کی وفات کے بعد اُن کے بیٹے اور حضورؐ کے چچا ابوطالب نے آپؐ کی پرورش کا ذمّہ لیا۔ چنانچہ اُنھوں نے بڑی شفقت اور فراست سے اس نازک فریضہ کی انجام دہی شروع کی۔ وہ آپؐ سے

اپنے بچوں سے بھی زیادہ شفقت و محبت سے پیش آتے تھے۔ اور انتہائی کوشش کرتے تھے کہ حضورؐ کو اپنی یتامت کا قطعی احساس نہ ہونے پائے۔

گلہ بانی سے انسانی رہنمائی تک

سب سے پہلا باقاعدہ شغل جو آپؐ نے اختیار کیا گلہ بانی تھا۔ اس شغل کی ابتداء ان دنوں ہی ہو چکی تھی جب آپؐ اپنی دودھ ماں حلیمہ سعدیہ کے صحرائی خیمہ میں زیر پرورش تھے۔ بعد میں آپؐ کو اپنے خاندان اور مکہ کے بعض دوسرے لوگوں کی بکریاں چرانے کا اتفاق بھی ہوا۔

آئندہ زندگی میں آپؐ اپنے اس ابتدائی شغل کو اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کے طور پر اکثر یاد کیا کرتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے: "نبوت کے لیے گلہ بانی بنیادی شرط ہے۔ گلہ بانی کے بغیر منصب نبوت تک رسائی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ گلہ بان تھے۔ حضرت داؤدؑ نے بھی گلہ بانی کی ہے۔ میں بھی اپنے خاندان کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

چرواہے کی زندگی بے حد دلچسپ ہوتی ہے۔ جب وہ ریوڑ لے کر کھلی فضاؤں کی جانب نکلتا ہے تو اسے فطرت اور زندگی پر غور و فکر کرنے کا موزوں موقع میسر آتا ہے۔ زمین پر پھیلا ہوا سبزہ، خوبصورت درخت، عجیب و غریب جھاڑیاں اور اوپر نیلگوں آسمان کی پھولداری فکر و عمل میں نکھار کی تحریک کا باعث بنتے ہیں۔ بکریوں کی خوراک اور حفاظت کا اہتمام کرتے کرتے چرواہے کو مخلوقِ خدا کے ذہن اور جسم کے لیے پاکیزہ خوراک مہیا کرنے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ لوگوں کو ہر قسم کی بدیوں اور برائیوں سے محفوظ رکھنے کے ڈھنگ سوجھتے ہیں۔ اور یوں

انجام کار ایک گلہ بان انسانیت اور کائنات کی نگہبانی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

گلہ بانی کے اِسی قسم کے معنی خیز مشاغل انسان کے سامنے بڑے تعمیری خیالوں کے خاکے اُبھارتے ہیں۔ اگر چرواہا زیرک ہو تو اُس کے جسم اور رُوح کے لیے نایاب خوراک مہیا ہو جاتی ہے۔ پھر اُسے ان ابتدائی تجربوں کو وسعت دینے اور اُنھیں مختلف حالات اور معاملات میں استعمال کرنے کی رغبت محسوس ہوتی ہے۔ چراگاہوں میں مویشی چرانے کا ابتدائی تجربہ رفتہ رفتہ نئی شکلیں اختیار کرنے لگتا ہے۔ اس مرحلے پر اگر چرواہا فہم و فراست سے کام لے تو اُس پر مخلوقِ خدا کے فکر و عمل کو معنی خیز سمتیں دینے کے رموز کھلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ پریشان انسانیت کو اطمینان بخش ہدایت سے فیض یاب کرنے کے مؤثر ڈھنگ سُوجھتے ہیں۔ چنانچہ مویشی چراتے چراتے چرواہا انسانوں کی جامع رہنمائی کی مکمل تربیت حاصل کر لیتا ہے۔ اُس میں یہ اعتماد پوری طرح اُجاگر ہو جاتا ہے کہ اُس نے کاروانِ انسانیت کو منزل تک پہنچا دینا ہے۔

جب چرواہے کی زندگی اس مقام پر پہنچتی ہے تو انسانی بود و باش اور تہذیب و تمدن میں عزم و اُمید اور تعمیر و تخلیق کے مثبت امکانات روشن ہو جاتے ہیں اور چرواہے کی شخصیت ایک محسنِ کائنات کی حیثیت سے واضح طور پر اُبھر کر سامنے آجاتی ہے۔

داستان گوئی کی طرف میلان

حضورؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نیکیوں اور بھلائیوں سے بھرا پڑا ہے۔ مکہ کی تعیش پسند زندگی اور اس کی دلچسپیاں آپؐ کے مقدس جسم اور مطہر رُوح کو پھسلانے میں قطعی ناکام رہیں۔ قدیم عرب میں افسانہ گوئی

کا رواج عام تھا۔ چنانچہ اس فن میں کمال رکھنے والوں کی ایک خاصی بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر لوگ رات کو کسی مقررہ مقام پر جمع ہو جاتے اور کوئی منجھا ہُوا داستان گو دلچسپ قصّے کہانیاں شروع کر دیتا۔ یہ سلسلہ اکثر رات بھر جاری رہتا اور لوگ بڑے شوق سے یہ داستانیں سُننے میں مگن رہتے۔

ابتدائی عمر میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے بھی داستان گوئی کی محفل میں شریک ہونا چاہا تھا۔ لیکن جب آپؐ اِس تفریح کے لیے روانہ ہُوئے تو اتفاق سے راستے میں ایک مکان میں شادی کی محفل زوروں پر تھی۔ آپؐ یہ تماشہ دیکھنے کے لیے ٹھہر گئے تو وہاں نیند آ گئی۔ اور یُوں آپؐ نہ تو شادی کے ہنگاموں سے لُطف اندوز ہو سکے اور نہ داستان گوئی کے مرکز تک پہنچ سکے۔

تفریحوں سے محرُوم چرواہا

عہدِ گلّہ بانی سے متعلق حضورؐ کی یادداشتیں دلچسپ بھی ہیں اور اخلاقی پہلو سے بے حد اہم بھی۔ اس دور کے ایک واقعہ کو حضورؐ نے ان بے تکلف الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے: "میرے لیے ان مشاغل میں کوئی کشش نہ تھی، جن سے کفارِ مکّہ لُطف اندوز ہوتے تھے۔ مگر دو موقعوں پر جب میں نے ان تفریحوں سے قدرے محظُوظ ہونا چاہا تو میرے اور میری خواہشوں کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو گئے۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں اور قریش کا ایک اور نوجوان چرواہا مکّہ کی پہاڑیوں پر اپنے ریوڑ چرا رہے تھے۔ میں نے اُس سے کہا: میں کچھ آرام اور تفریح کی خاطر رات بھر کے لیے شہر جا رہا ہُوں، ذرا میری بکریوں کا بھی خیال رکھنا۔ میرا ساتھی راضی ہو گیا تو میں شہر کی جانب

چل نکلا۔ ابھی آبادی کے پہلے مکان کے قریب ہی پہنچا تھا کہ مجھے دف اور بانسری کی سُریں سُنائی دیں۔ مجھے بتایا گیا کہ اہلِ خانہ جشنِ شادی میں مشغول ہیں۔ میں بھی اُن میں جا بیٹھا اور موسیقی سُننے لگا۔ مگر ہوا یُوں کہ خداوند تعالیٰ نے میرے کان ہی بند کر دیے۔ پھر مجھ پر ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ صبح سُورج نکلنے پر ہی آنکھ کھُلی۔ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ شادی کے اُس جشن میں کیا کچھ ہوتا رہا۔ جب میں چراگاہ میں اپنے ساتھی کے پاس لوٹا تو اُسے سارا واقعہ جُوں کا تُوں سُنا دیا۔"

دوسرے واقعہ کا ذکر آپ نے یُوں فرمایا ہے: "اِسی طرح ایک دفعہ اور میں رات کو اِسی مقصد کے لیے مکہ شہر کی جانب روانہ ہُوا تو پھر وُہی بات ہُوئی۔ میرے کانوں میں یکایک گانے بجانے کی آواز آئی جو مجھے ایسے محسوس ہُوا جیسے وہ کوئی آسمانی نغمہ تھا۔ لیکن پھر اُسی لمحہ مجھے دفعتاً نیند نے آگھیرا۔ صبح تک میری آنکھ لگی رہی۔ اس کے بعد تو پھر کبھی مجھے اِس قسم کا کوئی خیال تک نہ آیا حتّٰی کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبوّت کا اعزاز بخشا۔"

عظیم چرواہے کی دلچسپ یادداشتیں

عہدِ شباب میں جو تندرست و توانا نوجوان پھسلن اور لغزشوں سے محفوظ رہے اُس کی سیرت و کردار کی عظمتوں کا کچھ اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ دِن بھر کی مشقتوں کے بعد چند لمحے دلچسپ کہانیوں یا صحت مند موسیقی سے جی بہلانے میں کیا مضائقہ ہے۔ مگر ایک برگزیدہ ہستی جسے ساری کائنات کی نگہبانی سونپی جا رہی ہو، اُس کے بلند منصب کے لیے اس قسم کی عامیانہ تفریحوں میں شمولیت شاید شایانِ شان نہ ہو۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عہدِ شباب کے تمام تر لمحات پاکیزہ غور و فکر اور انسانی بھلائی کے کاموں ہی میں بسر ہوئے اور وقت کی تمام لغزشیں اور پھسلنیں آپ کے عزم و استقلال کو متزلزل کرنے میں قطعی ناکام رہیں۔

زمانۂ رسالت میں بھی آنحضورؐ گلہ بانی ایسے سادہ اور پُر لطف مشغلہ کا کبھی کبھی ذکر فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ چند صحابہؓ کے ساتھ ایک جنگل سے گزرے۔ کچھ ساتھی ایک بیری سے بیر توڑ توڑ کر کھانے لگے تو آپؐ نے فرمایا: "جو بیر خوب سیاہ ہو جاتے ہیں زیادہ مزے دار ہوتے ہیں۔ یہ میرا اُس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔"

4

چرواہا تاجر کے رُوپ میں

- شام کا پہلا تجارتی سفر
- شام کا دُوسرا کامیاب سفر
- محبت اور عقیدت کی اِبتداء

دادا کی طرح آپؐ کے چچا ابوطالب بھی آپؐ پر جان چھڑکتے تھے۔ وہ آپؐ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ چچا بھتیجے کے پیار کا یہ عالم تھا کہ حضورؐ کافی عرصہ ابُو طالب کے ساتھ ہی سُوتے رہے۔ دونوں کو ایک دُوسرے سے جُدائی گوارا نہ تھی۔ ابوطالب جہاں بھی جاتے حضورؐ کو ساتھ لے جاتے۔

شام کا پہلا تجارتی سفر

قریش اصلاً کاروباری لوگ تھے۔ وہ کسی نہ کسی طور تجارت کی طرف ہی مائل رہتے تھے۔ چنانچہ جب آپؐ بارہ برس کی عمر کو پہنچے تو چچا نے تجارت کی غرض سے شام روانہ ہونے کی تیاری شرُوع کی۔ اُن دنوں سفر انتہائی کٹھن اور پُرخطر ہُوا کرتے تھے۔ اِس لیے ابوطالب حضورؐ کو ساتھ لے جانے سے کتراتے تھے۔ مگر چہیتے بھتیجے نے بہت ضد کی اور آپ

پُرانے عربوں کا ایک تجارتی کاروان شام کی جانب رواں دواں ہے

پٹ گئے تو آپ نے آخر اُنؒ کی بات مان لی۔ چنانچہ آپؐ چچا کے ہمراہ تجارتی قافلے میں شامل ہو گئے اور سفر کرتے کرتے شام کے جنوب میں واقع شہر بصریٰ تک جا پہنچے۔

بصریٰ میں یہ قافلہ ایک گرجا کے قریب ٹھہرا۔ اس گرجے کے راہب کا نام بحیرا تھا۔ اُس نے جب آپؐ کو دیکھا تو ابو طالب کو بتایا کہ عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں پیغمبر کی پہچان کی جو معیاری نشانیاں درج ہیں وہ تمام کی تمام اُس کے بارہ سالہ بھتیجے کے روشن چہرے پر نمایاں ہیں۔ بحیرا کو اندیشہ تھا کہ شام کے فتنہ پرداز یہودی نبوت کی ان واضح نشانیوں کو فوراً بھانپ لیں گے اور آپؐ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اِس لیے اُس نے اہلِ قافلہ کو مشورہ دیا کہ محمدؐ کو آگے نہ لے جایا جائے۔ ابو طالب نے صورتِ حال کی نزاکت کے پیشِ نظر راہب بحیرا کا مشورہ تسلیم کر لیا۔ چنانچہ انھوں نے شام ہی میں اپنا تجارتی سامان جلدی جلدی فروخت کر دیا اور آپؐ کو لے کر مکہ لوٹ آئے۔ اِس سفر میں حضورؐ نے مناظرِ قدرت کا جی بھر کے مشاہدہ کیا۔ اِنسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر سوچ بچار کیا اور اپنی کم عمری کے باوجود مختلف مذاہب کے اکابر سے تبادلۂ افکار بھی کیا۔ وہ سب لوگ آپؐ کی فہم و فراست سے بے حد متاثر ہوئے۔

ابو طالب کو اس سفر میں کوئی نفع نہ ہُوا۔ اِس لیے اُنھوں نے اِس کے بعد پھر کبھی تجارتی سفر کا اِرادہ تک نہ کیا۔ اُن کے پاس تھوڑا بہت سرمایہ موجود تھا۔ بس اُسی کے سہارے مکّہ کی چار دیواری کے اندر رہ کر ہی گزر بسر کرتے رہے۔ یہ سارا عرصہ حضورؐ چچا کے ساتھ رہے۔ آپؐ اُن کی بکریاں چراتے اور گھریلو کام کاج میں اُن کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ فارغ اوقات

میں آپؐ گلی بازار میں نکل جاتے اور مشہور عرب شاعروں کے کلام سُنتے۔ مختلف مذاہب کے خطیبوں کی تقریروں کا تجزیہ کرتے اور اپنا بیشتر وقت سوچ بچار میں صرف فرماتے۔

شام کا دُوسرا کامیاب سفر

ابو طالب کی گھریلو زندگی مالی پریشانیوں کا شکار رہتی تھی۔ حضورؐ اِس وقت پچیس برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ شام کے تجارتی سفر میں ناکامی کے باوجود آپؐ کے چچا چاہتے تھے کہ اپنے چہیتے بھتیجےؐ کے لیے گلہ بانی کی بجائے تجارت کی سہولتوں کا اہتمام کریں۔ اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے آپ مناسب موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے۔

انہی دنوں ایک دولت مند اور بلند اخلاق بیوہ خاتون، خدیجہؓ، مکہ میں رہتی تھیں۔ رشتہ میں وہ حضورؐ کی چچازاد بہن تھیں۔ ان کے انتہائی پاکیزہ کردار کی وجہ سے لوگ انھیں "طاہرہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ خدیجہ اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلہ میں جفاکش اور شریف لوگوں سے اُجرت پہ خدمت لیا کرتی تھیں۔ اُنھوں نے حضورؐ کے اخلاق اور دیانت کے بہت چرچے سُن رکھے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے آپؐ کی دیانت اور خدمت سے فائدہ اُٹھانے کا سوچا۔ اُنھوں نے آپؐ کو بلا بھیجا اور کہا کہ "اگر آپؐ میرا تجارتی مال لے کر شام جائیں تو میں آپ کو اَوروں سے کہیں زیادہ معاوضہ دُوں گی۔" آپؐ نے اس اچھی کاروباری پیش کش کو قبول کر لیا تو خدیجہ نے اپنے مال کے ساتھ اپنا غلام میسرہ بھی آپؐ کے ہمراہ روانہ کر دیا۔

شام کے علاوہ حضورؐ کو تجارت کے لیے متعدد اور مشہور مقامات پر جانے کا بھی خاصا تجربہ تھا۔ خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپؐ کو تجارت کی غرض سے بھیجا اُن میں یمن بھی شامل ہے۔ یمن آپؐ دو مرتبہ تشریف لے گئے اور ہر بار واپسی پر خدیجہ نے آپؐ کو معاوضہ میں ایک اُونٹ دیا۔ مگر حضورؐ نے جتنے بھی غیر ملکی تجارتی دورے کیے اُن سب میں شام کا دُوسرا تجارتی سفر ہر اعتبار سے اہم تر ہے۔

اِس تجارتی سفر میں حضورؐ کو دُوسروں کی نسبت بہت زیادہ منافع ہُوا۔ مگر کاروباری لین دین کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے زندگی پر بھی جی بھر کے غور و خوض کیا اور مختلف مذاہب کے اکابر سے بحث و تمحیص میں بھی حصّہ لیا۔ سفر کے دوران خدیجہ کا غلام میسرہ بھی آپؐ کی فہم و فراست اور محنت و دیانت کا گرویدہ ہو چکا تھا۔ واپس پر آپؐ نے سفر کی روئیداد اور تجارتی منافع کا سارا حساب کتاب خدیجہ کو پیش کر دیا۔

محبّت اور عقیدت کی اِبتداء

خدیجۃؓ آپؐ کی دیانت اور فراست سے بے حد متاثر ہُوئیں۔ بعد میں میسرہ نے بھی اُن سے آنحضورؐ کے بلند اخلاق اور نیک عادات کی تعریف کے پُل باندھ دیے۔ میسرہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "سیرت و کردار اور لیاقت و ذہانت کے اعتبار سے مکّہ کا کوئی بھی نوجوان آپؐ کا ہم پلّہ نہیں ہے۔" ان تمام باتوں سے خدیجہ کے دل میں حضورؐ سے محبّت اور عقیدت کی راہ ہموار ہوگئی۔

کاروبار میں صحیح لین دین اور تجارتی معاملوں کو فہم و تدبّر سے چلانے

سے حضورؐ کو بھی مسرت اور گوناگوں اطمینان نصیب ہوا۔ چرواہی سے تجارت کے سفر نے آپؐ کے تخلیقی فکر و عمل میں نت نئے تجربوں کا اضافہ کر دیا۔ اور یوں انجام کار اُس عظیم چرواہے تاجر میں دُنیا کے تمام لوگوں کو ایک ایسی "معنی خیز تجارت" کے رموز و نکات سمجھانے کی بصیرت پیدا ہو گئی جو زندگی کے سب شعبوں میں ہر قسم کے منافع کا باعث تھی۔

5

محمدؐ اور خدیجہؓ کی شادی

- پاکیزہ خاتون کے حالاتِ زندگی
- محمدؐ اور خدیجہؓ کا نکاح
- مثالی محبت، مثالی شادی

خدیجہؓ پہلے ہی سے آپؐ کے حسنِ اخلاق اور سحر آفریں شخصیت کی مداح تھیں۔ خوشگوار کاروباری تجربوں سے اُن کے اِبتدائی تاثر کو ایک اور پہلو سے مزید تقویت ملی۔ ان سب باتوں کا مجموعی نتیجہ یہ مرتب ہُوا کہ وُہ مستقل طور پر آپؐ کے سیرت و کردار کی گرویدہ ہو گئیں۔ آپؐ سے اُن کی بڑھتی ہُوئی عقیدت محبت کے جذبوں میں پروان چڑھتی گئی۔

پاکیزہ خاتون کے حالاتِ زندگی

خدیجہ خویلد بن اسد کی چہیتی بیٹی تھیں۔ اُن کی پہلی شادی ایک نوجوان ابوہالہ سے ہُوئی تھی۔ اُن کے ہاں دو بچے پیدا ہُوئے تھے۔ مگر کچھ عرصہ بعد ابوہالہ وفات پا گئے۔ اس کے بعد اُنھوں نے مکّہ کے ایک متموّل تاجر عتیق بن عائذ مخزومی سے شادی کر لی۔ ایک بچی کی ولادت کے بعد عتیق بھی انتقال کر گئے۔ جب خدیجہ سے آنحضورؐ کے کاروباری مراسم کی راہ ہموار

ہُوئی تو اُس وقت وہ ایک چالیس سالہ بیوہ تھیں۔ وُہ جسمانی اور اخلاقی اعتبار سے بے حد پُرکشش اور پُروقار دکھائی دیتی تھیں۔

خدیجہ صرف جسمانی طور پر ہی صحت مند نہ تھیں بلکہ اُن کے اخلاق و عادات کا شہرہ زبان زدِ خلائق تھا۔ چنانچہ اِسی غیر معمولی اخلاقی پاکیزگی کی وجہ سے انھیں مکہ بھر میں "طاہرہ" یعنی "پاکیزہ خاتون" کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ قبیلہ قریش کے کئی چوٹی کے سرداروں نے آپ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مگر آپ نے ان سب تجویزوں کو مسترد کر دیا تھا۔ اُنھیں آنحضورؐ کی عالی ظرفی اور حُسنِ اخلاق ہی متاثر کر سکے تھے۔ خدیجہ کی طرح حضورؐ بھی اپنی غیر معمولی دیانت و امانت کی وجہ سے "امین" یعنی "قابلِ اعتماد" کے معزز لقب سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اِسی لیے "طاہرہ" نے "امین" ہی سے شادی کا تہیہ کر لیا۔

اُس زمانے کے مروجہ رسم و رواج کے مطابق عورتوں کو اپنے ازدواجی معاملات طے کرنے میں مکمل خود مختاری حاصل تھی۔ خدیجہ نے جب حضورؐ سے ازدواجی رشتے کا فیصلہ کر لیا تو انھوں نے اپنی ایک قریبی سہیلی نفیسہ سے دل کی بات کہہ ڈالی۔ اور یُوں شادی کی بنیادیں استوار ہونا شروع ہوئیں۔

محمدؐ اور خدیجہؓ کا نکاح

نفیسہ بہت سمجھ دار خاتون تھیں۔ وُہ فوراً حضورؐ سے ملیں اور باتوں ہی باتوں میں آپؐ سے پُوچھا: "آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" آپؐ نے فرمایا: "میرے پاس مطلوبہ مال و دولت نہیں ہے۔" نفیسہ بولی: "اگر کوئی

حسین وجمیل، خوش اخلاق اور عالی خاندان خاتون سے آپؐ کا رشتہ ہو جائے تو آپ اسے قبول کریں گے؟" آپؐ نے دریافت کیا: "آخر ایسی خاتون ہے کون؟" جب نفیسہ نے خدیجہ کا نام لیا تو آپؐ نے فوراً اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔

بات پکی ہو گئی تو تمام ابتدائی مراحل بھی طے ہوتے چلے گئے۔ شادی کی حتمی تاریخ مقرر ہو گئی۔ حضورؐ اپنے عزیز و اقرباء کو لے کر خدیجہ کے گھر تشریف لے گئے۔ دولہا میاںؐ کے ساتھیوں میں حضرت ابو طالب اور حضرت حمزہؓ ایسی بلند شخصیات بھی شامل تھیں۔ خدیجہؓ کے ہاں اُن کے رشتہ دار اور احباب خاندان پہلے ہی مدعو تھے۔ چنانچہ ایک عظیم نکاح کی پُرمسرت تقریبات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جناب ابو طالب نے خُطبہ نکاح پڑھا۔ حضرت خدیجہؓ کا حقِ مہر بیس جوان اُونٹنیاں مقرر ہوا۔ عرب دستور کے مطابق شادی کے بعد آنحضورؐ نے خدیجہؓ کے ہاں سکونت اختیار کر لی۔ ازدواجی زندگی کے آغاز سے ذاتی غور و فکر اور عوامی فلاح و اصلاح کے کاموں میں حضورؐ کی دلچسپی میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔

مثالی محبّت، مثالی شادی

آنحضورؐ اور حضرت خدیجہؓ کی عمر میں پورے پندرہ سال کا فرق تھا۔ دونوں کے معاشی مدارج بھی قدرے مختلف تھے۔ مگر چونکہ سیرت و کردار، عادات و اطوار اور عمومی رہن سہن میں دونوں بلند ترین مقام حاصل کر چکے تھے، اُن میں روحانی اور اخلاقی ہم آہنگی کے پائیدار رشتے موجود تھے۔ اسی لیے مالی منصب اور عمر کی تفاوت ان کے ازدواجی تعلقات پر قطعی کوئی

مکۂ مکرمہ میں حضرت خدیجہؓ کا آبائی مکان

ناخوشگوار اثر مرتب نہ کرسکی۔ بلکہ یہ شادی ہر اعتبار سے ایک مثالی رشتہ ثابت ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محمدؐ اور خدیجہؓ کے گھر میں مسرتوں اور نیکیوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔

حضرت خدیجہؓ اِس خوشگوار شادی کے بعد پچیس برس زندہ رہیں۔ اُن کی ازدواجی زندگی کا لمحہ لمحہ مسرت، سکون، طہارت اور توانائی کی نعمتوں سے لبریز رہا۔ اُن کے ہاں دو بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ دونوں بیٹے ابتدائی عمر ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ چار لڑکیوں کے نام یہ ہیں: فاطمہؓ، زینبؓ، رقیہؓ اور اُمِ کلثومؓ۔ حضورؐ کو اولاد اور بیوی سے بے پناہ محبت تھی۔

حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کی محبت لازوال تھی۔ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد بھی وہ اُنھیں اُسی محبت اور احترام سے یاد کیا کرتے تھے۔ اُن کی وفات کے کافی عرصہ بعد ایک بار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سپاسِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: "وہ ایک مثالی بیوی تھیں۔ اُنھوں نے اُس وقت اسلام قبول کیا، جب سارا عرب کافر تھا۔ اُنھوں نے اپنی ساری دولت مجھ (یعنی میرے مشن) پر نچھاور کردی۔"

آنحضورؐ حضرت خدیجہؓ کے عزیز و اقارب سے بھی ہمیشہ کمال حُسنِ سلوک سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ اُن کی وفات کے بعد جب بھی اُن کے رشتہ دار یا سہیلیاں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپؐ اُن سے انتہائی احترام اور شفقت سے پیش آتے۔

6

حجرِ اسود کا ہنگامہ

- بارش اور سیلاب کی تباہی
- نذرانوں کی چوری اور ناگ کی موت
- یُونانی انجینئر کی نگرانی
- ہنگامہ اور خانہ جنگی کا خطرہ
- حضورؐ کی معاملہ فہمی

خانہ کعبہ مسلمانوں کی مقدس ترین عبادت گاہ ہے۔ سب سے پہلے اسے دُنیا کے سب سے پہلے اِنسان اور سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ جنّت سے ایک بڑا سیاہ پتھر لے آئے تھے، جسے اس عمارت میں نصب کر دیا گیا تھا۔ یہ پتھر، جسے حجرِ اسود کہتے ہیں، آجکل کعبہ کی جنوب مشرقی دیوار میں نصب ہے۔ حضرت نوح علیہ السّلام کے دَور میں طُوفان سے اس عظیم عمارت کو بہت نقصان پہنچا اور اس جگہ فقط ایک ٹیلہ سا باقی رہ گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور ان کے نامور فرزند حضرت اسمٰعیلؑ نے خُدا کے حکم کی تعمیل میں کعبہ کی تعمیرِ نو کی۔

خانہ کعبہ کو کئی ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ بیت اللہ (اللہ کا گھر)، بیت الحرام (پاکیزہ گھر)، مسجد الحرام (پاکیزہ مسجد) وغیرہ۔ ان سب ناموں
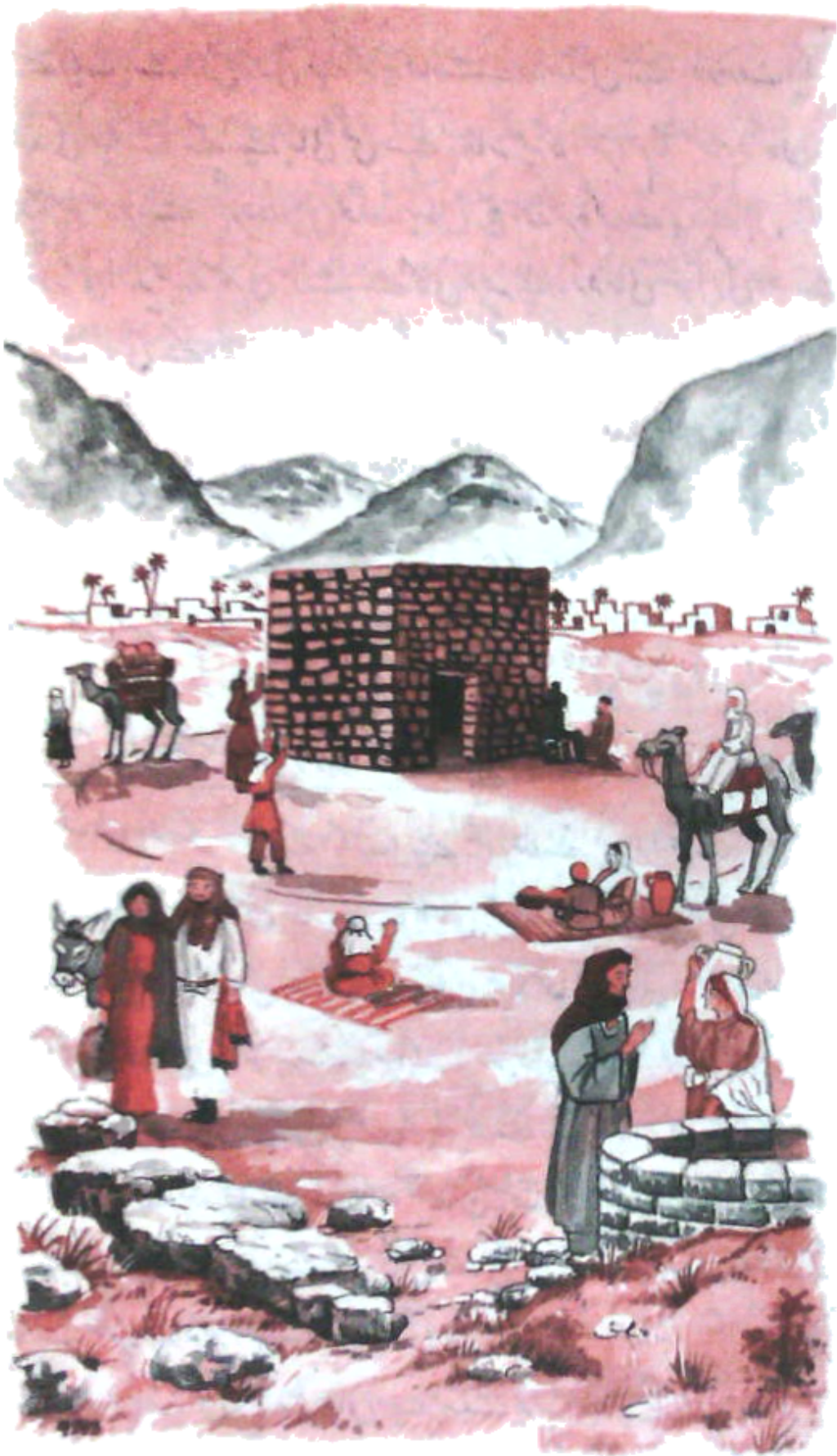
اسلام سے پہلے خانہ کعبہ کے گردونواح میں روزمرہ زندگی

سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ یہ عمارت بے حد مقدس ہے اور صرف ایک اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے۔ خانہ کعبہ کا احترام نامعلوم وقتوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہر دور میں لوگ یہاں حج اور عمرہ کرتے رہے ہیں۔ تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے کافی عرصہ پہلے رُوحانی تنزل کی وجہ سے کعبہ بُت پرستی کے مرکز میں تبدیل ہوگیا تھا۔ آپؐ کی بعثت سے پہلے اس میں ۳۶۰ بُت نصب ہو چکے تھے۔ ہر عرب قبیلے کا اپنا علیحدہ بُت ہوتا تھا اور وُہ لوگ اُسی کی پُوجا کرتے تھے۔ مگر رُوحانی انحطاط کے ہر دور میں بھی کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے تھے جو بُتوں کے آگے سر جُھکانے سے اِنکاری تھے۔ حضورؐ کا شمار بھی اِسی قسم کے دانا لوگوں میں ہوتا ہے۔

بارش اور سیلاب کی تباہی

خانہ کعبہ مکہ مکرمہ کے ایک ایسے نشیبی علاقے میں واقع ہے، جہاں پُرانے زمانے میں بارش اور سیلاب کا پانی جمع ہو جایا کرتا تھا۔ اِس سے اِس کی دیواروں اور اندرُونی حصہ کو کافی نقصان پہنچتا تھا۔ پانی کی روک تھام کے لیے اُس زمانے میں خانہ کعبہ کے باہر ایک بند بنوایا گیا تھا۔ لیکن یہ بند بھی پانی کے ریلوں کے آگے نہ ٹھہر سکا اور بار بار ٹوٹنے کے بعد آخر کار۔ بالکل منہدم ہوگیا۔ جس کے بعد عمارت کو زیادہ نقصان پہنچتا رہا۔ ہوتے ہوتے صُورتِ حال اس قدر بگڑ گئی کہ ایک زمانے میں یوُں دکھائی پڑنے لگا جیسے کعبہ کی خستہ عمارت عنقریب دھڑام سے آگرے گی۔

اہلِ مکہ اِس صُورتِ حال سے بہُت پریشان رہتے تھے۔ وہ کعبہ کے خستہ اور بوسیدہ حصّوں کو گرا کر اُنھیں از سرِ نو تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ مگر بات یہ

تھی کہ ایامِ جاہلیّت سے اُن کے ہاں یہ توہماتی تصوّر چلا آتا تھا کہ خانہ کعبہ کا کوئی حصّہ گرانے سے خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے۔ اس لیے کسی کو بھی مرمّت کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ اُدھر مسلسل سیلابوں اور شہر سے آنے والے پانی نے کعبہ کی فصیل کو اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ فوری مرمّت ناگزیر ہوگئی تھی۔

آنحضرتؐ طبعاً بے حد خلیق اور ملنسار تھے۔ آپؐ اجتماعی اور فلاحی معاملوں میں اہلِ مکّہ کے ساتھ مل جُل کر رہتے تھے۔ آپؐ کو بھی خانہ کعبہ کی خستہ حالی کا فکر دامن گیر رہتا تھا۔ بلکہ اِس عوامی تشویش کا احساس آپؐ کو سب سے زیادہ لاحق تھا۔

نذرانوں کی چوری اور ناگ کی موت

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کو اوّلیت ملنے میں کئی باتوں کا دخل ہے۔ کعبہ کے وسط میں ایک کنواں ہوتا تھا۔ زیارت کے لیے آنے والے اِس کنویں میں اپنے نذرانے پھینک دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے اس کنویں سے کئی قیمتی اشیاء چُرا لیں۔ چور کو چوری میں اِس لیے بھی آسانی ہوئی تھی کہ کعبہ کی دیواریں نیچی بھی تھیں اور کچی بھی۔ اُن پر کوئی چھت بھی نہ تھی۔ بہُت تگ و دو کے بعد چور پکڑ لیا گیا۔ جُرم کی پاداش میں اُس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے گئے۔ مگر نذرانوں والے کُنویں سے مال و دولت کو مزید چوریوں سے بچانے کے لیے خستہ دیواروں کو گرا کر پختہ دیواریں بنانا اور اُن پر چھت تعمیر کرنا پہلے سے کہیں زیادہ ناگزیر دکھائی دینے لگا۔

اِس کے علاوہ ایک دلچسپ واقعہ بھی اس کام پر فوری توجّہ کا سبب بن گیا۔ کعبہ کے کنویں میں ایک پھن دار ناگ بھی رہتا تھا۔ وُہ دن

کعبے کی دیوار پر پھن پھیلائے ناگ کو عقاب دبوچ رہا ہے

کے وقت کنویں سے نکل کر کعبہ کی منڈھیر پر بیٹھ جاتا اور مزے سے دُھوپ سینکا کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص اُس کے نزدیک جانے کی جسارت کرتا تو وُہ پھن پھیلا پھیلا کر خوفناک پھنکار کرتا اور ڈسنے کو لپکتا۔ جس سے سب لوگ بھاگ کھڑے ہوتے۔

مرمّت اور تعمیرِ نو کا کام شروع ہونے میں اس ناگ کا خوف بھی حائل تھا۔ مگر پھر ہُوا یُوں کہ اُن ہی دِنوں ایک بڑا عُقاب اُڑتے اُڑتے اُدھر آ نکلا۔ وُہ بجلی کی طرح ناگ پر لپکا اور اُسے دبوچ کر لے اُڑا۔ یہ واقعہ اس قدر دلچسپ اور معنی خیز تھا کہ ایک شاعر زبیر نے اس پر بڑے خُوبصُورت شعر بھی لکھے۔ ناگ کے خاتمے کے بعد لوگ یُوں محسوس کرنے لگے جیسے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نَو کے لیے خُدا نے اُن کا راستہ صاف کر دیا ہے۔

یُونانی انجینئر کی نگرانی

اِتّفاق کی بات ہے کہ عین اُن ہی دِنوں ایک یُونانی تاجر اور انجینئر باقوم کا جہاز طوفان کی زد میں آ گیا اور بندرگاہ جدّہ کے ساحل کے نزدیک آ کر کنارے سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ باقوم اپنے وقت کا ہُنرمند انجینئر تھا۔ اُسے معماری اور نجّاری میں بھی دسترس حاصل تھی۔ اہلِ مکّہ کو جہاز کی تباہی کی خبر ہُوئی تو اُنھوں نے باقوم کے پاس ایک وفد روانہ کیا۔ وفد نے اُس کا ٹُوٹا پھُوٹا جہاز خرید لیا تاکہ اُس کی لکڑی کے تختے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو میں استعمال کیے جا سکیں۔ وفد نے باقوم کو اپنے ہمراہ مکّہ چلنے اور کعبہ کی مرمّت کے کام کی نگرانی کرنے پر راضی کر لیا۔ چنانچہ باقوم کی معاونت

کے لیے مکہ کے ایک تجربہ یافتہ کاریگر کی خدمات بھی حاصل کرلی گئیں اور
پھر بڑے زور وشور سے کام شروع کر دیا گیا۔
خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کے اِس تاریخی کام میں تمام قبیلے متحد ہو کر پورے
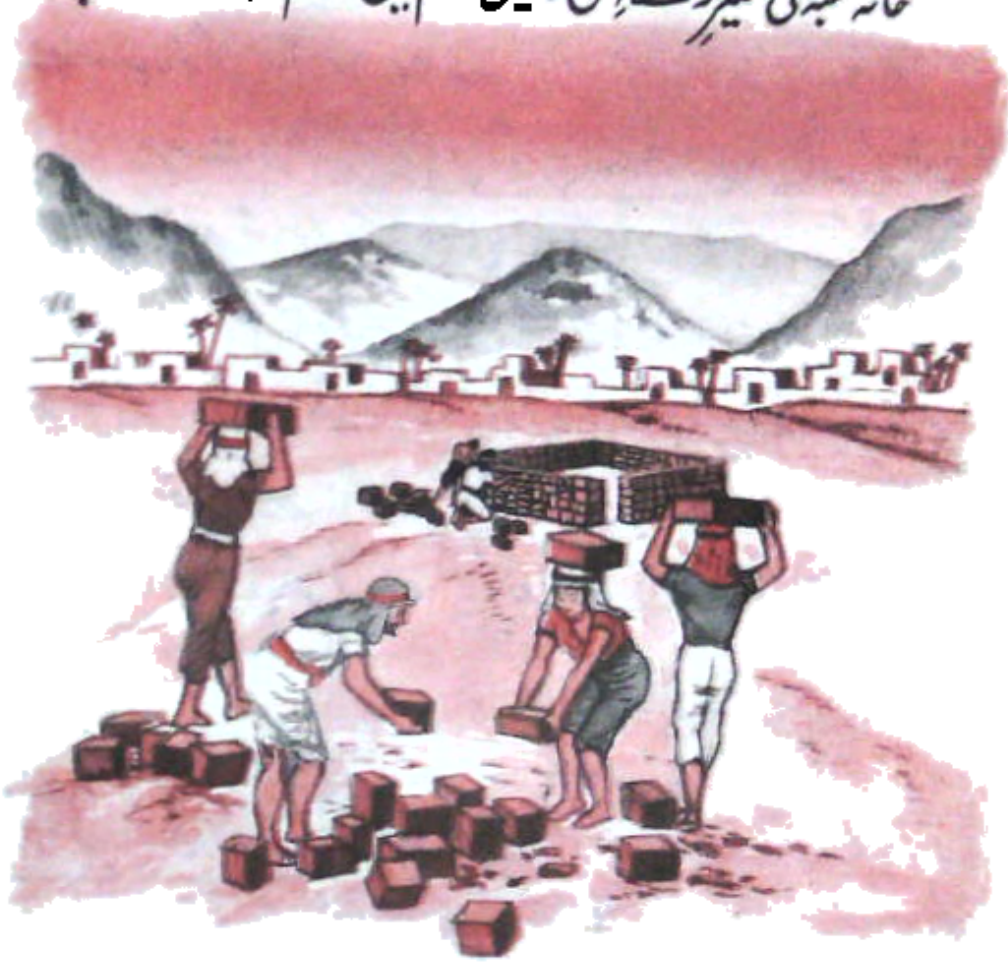
خانہ کعبہ کی مرمت کا منظر

جوش وخروش سے مصروف ہو گئے اور کوئی قبیلہ بھی اس شرف سے محروم نہ رہا۔ آنحضورؐ بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔

ہنگامہ اور خانہ جنگی کا خطرہ

ہر قسم کا مطلوبہ تعمیری سامان فراہم کر لیا گیا۔ مکہ کے آس پاس کی پہاڑیوں سے نیلے پتھر جمع کر لیے گئے اور تعمیر کا کام بڑی سُرعت اور جانفشانی

سے آگے بڑھنے لگا۔ جب دیواریں پانچ چھ فٹ کے لگ بھگ اُٹھ گئیں تو حجرِ اسود کو اس کی پُرانی جگہ پر نصب کرنے کا مرحلہ درپیش ہُوا۔ اس مقدس پتھر کو اُٹھا کر اس کی قدیم روائتی جگہ پر رکھنا ایک ایسا بڑا اعزاز تھا، جسے حاصل کرنے کے لیے ہر قبیلہ بے حد مضطرب تھا۔ چنانچہ اس نازک معاملے پر گرما گرم بحث بازی کا سلسلہ چھڑ گیا اور جلد ہی نوبت تلخ کلامی اور تُوں تُوں مَیں مَیں تک جا پہنچی۔ کوئی قبیلہ اپنے حق سے دستبردار ہونے پر رضامند نہ تھا۔ تکرار لمبی ہوتی گئی تو معاملہ جنگ و جدل کی سی صُورت اختیار کرنے لگا۔ آناً فاناً تلواریں کھنچ گئیں اور وہ خُونخوار درندے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔

ایک جنگجُو قبیلے نے تو حد کردی۔ اُنھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ کسی اور قبیلے کو حجرِ اسود نصب کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے۔ پُرانے زمانے میں عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی مفاد کے لیے جان دینے کی قسم کھاتا تو انسانی خُون سے بھرے ہُوئے پیالہ میں اپنی انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔ اُس وحشی قبیلے کا سردار خُون سے لبالب کٹورا خانہ کعبہ میں اُٹھا لایا۔ قبیلہ کے سب تند و تیز نوجوانوں نے خُون میں ہاتھ ڈبو ڈبو کر عہد کیا کہ اگر کسی اور قبیلے نے حجرِ اسود نصب کرنے کی جُرأت کی تو وہ سب کٹ مریں گے۔

غرض کہ پُورے چار دن تناؤ اور تصادم کی یہ خوفناک کیفیت لوگوں کے اعصاب پر بُری طرح سوار رہی۔ اور یُوں دکھائی دیتا تھا کہ قتل و غارت کا ایک لامتناہی سلسلہ کسی وقت بھی سارے مکّہ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔

حضورؐ کی معاملہ فہمی

قریش کا ایک بُوڑھا سردار بہت دانش مندانہ اور صُلح جُو تھا۔ وُہ
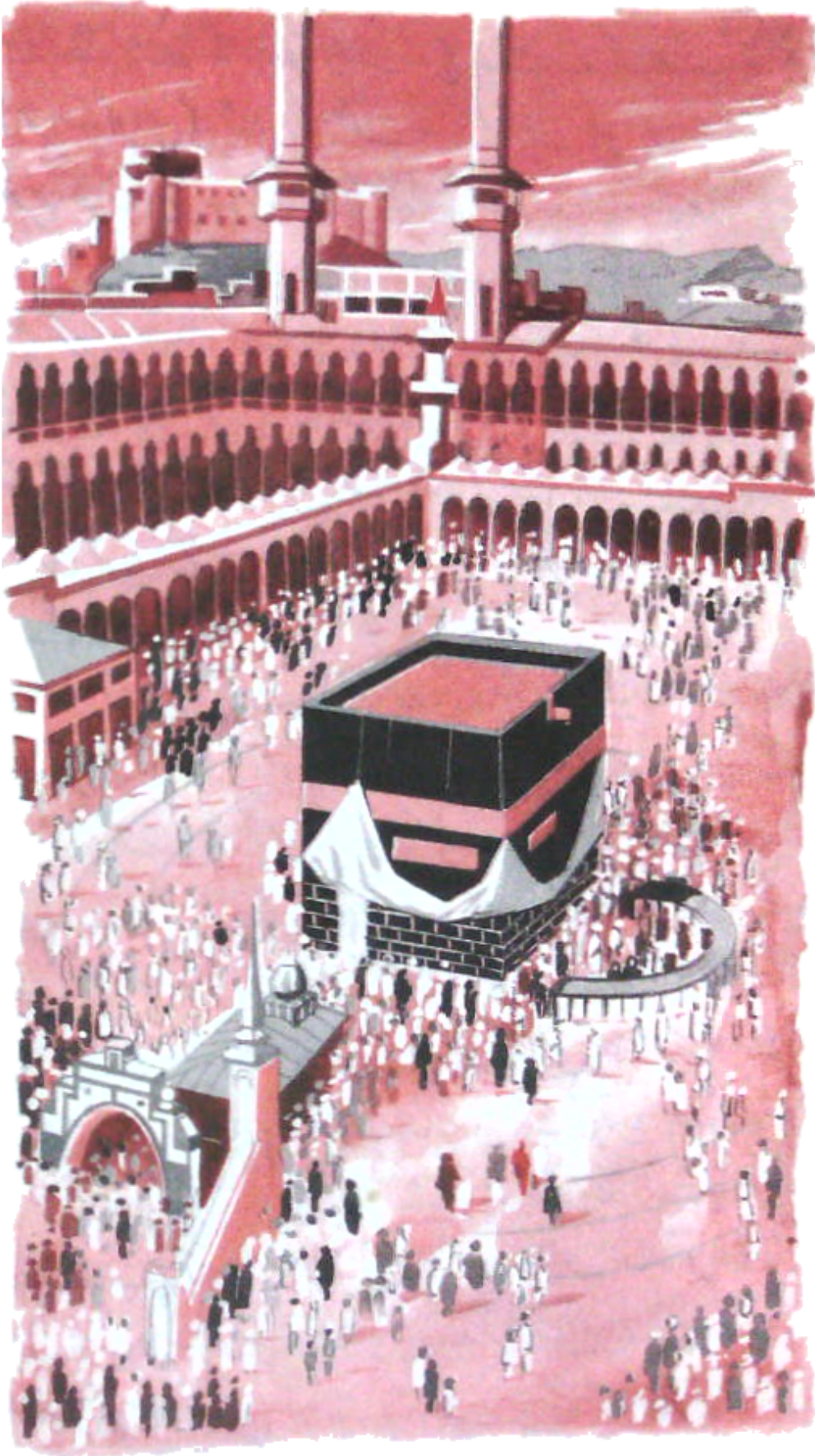
خانہ کعبہ کا ایک موجودہ منظر

چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کا ہنگامہ کسی خون خرابے کے بغیر طے ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے مشورہ دیا کہ کل صبح جو شخص کوہِ صفا والی جانب سے سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہو اُسے ثالث مان لیا جائے اور حجرِ اسود نصب کرنے کے بارے میں پھر جو بھی فیصلہ وہ دے اُسے تمام قبیلے حتمی طور پر تسلیم کریں۔ بوڑھے سردار کی تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا۔

دُوسری صبح سب لوگ خانہ کعبہ کے باہر بیٹھ کر بے تابی سے انتظار کرنے لگے کہ کوہِ صفا کی طرف سے سب سے پہلے کون شخص اندر داخل ہوتا ہے۔ خُدا کی قدرت اُس صبح جو شخص اُس سمت سے سب سے پہلے خانہ کعبہ میں داخل ہُوا وہ آنحضرتؐ ہی تھے۔ حضورؐ کا احترام تو سبھی کرتے تھے۔ بلکہ یہاں تک کہ اصل نام پکارنے کی بجائے آپ کو احتراماً "امین" اور "صادق" کے معزز ترین القابات سے یاد کیا جاتا تھا۔ چُنانچہ جونہی آپؐ خانہ کعبہ میں داخل ہُوئے ہر طرف خُوشی کے نعرے بلند ہونا شرُوع ہُوئے۔ لوگ بے ساختہ پُکار اُٹھے: "یہ تو وُہی امین ہیں جنھیں ہم خُوب جانتے ہیں۔ ہم انھیں بخوشی اپنا ثالث تسلیم کرتے ہیں"

حضورؐ موقعہ کی نزاکت سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپؐ نے فرمایا "ایک چادر لاؤ" چادر فوراً مہیا کر دی گئی۔ آپؐ نے اُسے زمین پر بچھا دیا اور اپنے مُبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود اُٹھا کر چادر کے وسط میں رکھ دیا۔ پھر تمام قبیلوں کے منتخب نمائندوں سے فرمایا: "اب تم سب اس چادر کے کنارے تھام لو اور اسے اُٹھا کر اُس مقام تک لے جاؤ جہاں حجرِ اسود نصب ہونا ہے" سب لوگ چادر کے کنارے تھامے خُوشی خُوشی اُس مقام پر پہنچ گئے۔ آپؐ نے فرمایا: "اب اِسے زمین پر رکھ دو" پھر آپؐ آگے بڑھے۔ حجرِ اسود اُٹھایا

آنحضورؐ کے فہم و تدبر سے حجرِ اسود کے معاملے پر خون ریز ہنگامہ آرائی کا خطرہ ٹل گیا

اور اُسے مقرّرہ مقام پر رکھ دیا۔ آپؐ کی اِس معاملہ فہمی اور دانشمندانہ تصفیے سے سارے متحارب قبیلے بے حد مسرور اور مطمئن ہو گئے۔

حضورؐ کی اِس دانشمندی سے وہ تند و تیز قبیلے ایک خونخوار خانہ جنگی سے بچ گئے۔ ورنہ وُہ اکھڑ لوگ تو مرنے مارنے کے لیے تیار ہو کر تباہی کے دہانے پر پہنچ چکے تھے۔ وہ جاہل لوگ جو ذرا ذرا سی باتوں پر تلواریں تان کر تصادم کے شعلوں میں کود پڑنے کے عادی تھے، بھلا عزّت اور ناموس کے اتنے بڑے معاملے پر صبر و تحمل اور فہم و فراست سے کیسے کام لے سکتے تھے۔ حجرِ اسود کے اِس مشہور واقعہ کو بہت تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ دورِ نبوت میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث بھی اِسی واقعہ کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ "میں نبوّت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں"۔

7

غارِ حرا کے پُراَسرار واقعات

- فرشتے سے پہلی مُلاقات
- فرشتے کی دوبارہ آمد
- دعوتِ حق اور ہنگاموں کا آغاز

مکّہ سے تین میل دُور ایک پہاڑی واقع ہے جسے کوہِ حرا کہتے ہیں۔ اس پہاڑی کو اب جبل النوُر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس پہاڑی کے دامن میں وُہ مشہور غار واقع ہے جو غارِ حرا کہلاتی ہے۔ اس چھوٹی سی غار کی لمبائی ۱۲ فٹ اور چوڑائی دو فٹ کے لگ بھگ ہے۔ عہدِ شباب میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اکثر وہاں جایا کرتے تھے اور غور و فکر اور عبادت میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ آپؐ وہاں پہروں قیام کرتے۔ بلکہ کئی دفعہ تو کئی کئی روز تک وُہیں رہتے۔ آپؐ اپنے ساتھ ستّو اور پانی وغیرہ بھی لے جاتے۔ جب کھانے پینے کا یہ سامان ختم ہو جاتا تو آپؐ گھر لوٹ آتے اور کچھ عرصہ بعد مزید اشیاءِ خورد و نوش ساتھ لے جا کر پھر غارِ حرا میں ذکرِ الہیٰ میں محو ہو جاتے۔ جُوں جُوں دن گزرتے گئے، تنہائی اور عبادت آپؐ کو مرغوب تر ہوتی چلی گئی۔ آپؐ روزے بھی رکھتے تھے۔ رمضان کا پُورا مہینہ تو آپؐ خصوصی طور پر عبادت اور سوچ بچار میں صرف کرتے اور مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ گھر

غارِ حرا جہاں پہلی وحی نازل ہوئی

لوٹنے سے پہلے آپؐ خانہ کعبہ کا طواف ضرور کرتے تھے۔

غارِ حرا کی تنہائیوں میں غور و فکر کے دوران آپؐ کے ذہن میں بہزاروں سوال اُبھرتے اور آپؐ اُن کے تسلی بخش حل ڈھونڈھنے کے جتن کرتے۔ گاہے گاہے غار سے نِکل کر آپؐ قریبی صحرا کی جانب بھی نِکل جاتے اور تھوڑی بہت چہل قدمی کے بعد پھر غار میں لوٹ آتے۔ اپنے گرد و پیش کی مقبولِ عام بُت پرستی پر تو آپؐ نے سب سے زیادہ غور و خوض فرمایا۔ اِس مُشرکانہ طریقِ عبادت کو سراہنے یا اپنانے سے آپؐ پہلے ہی اِنکار کر چُکے تھے۔ دِن گُزرتے گئے اور پھر کُچھ عرصہ بعد آپؐ کو بعض حیران کُن خواب بھی آنے لگے۔ یہ خواب ایسے سچّے ہوتے تھے کہ آپؐ رات کو اِن میں جو کُچھ بھی دیکھتے، دِن کو مین وُہی کُچھ آپؐ کے گرد و پیش میں واقعی رُونما ہو جاتا۔

فرشتے سے پہلی مُلاقات

اب آپؐ چالیس برس کی عُمر کو پُہنچ چُکے تھے۔ ۹ ربیع الاوّل (بمطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء) کا واقعہ ہے کہ آپؐ غارِ حرا میں حسبِ معمول عبادت میں مصرُوف تھے۔ اِتنے میں فرشتہ جبرئیلؑ رُوح الامین آئے اور کہا: "محمدؐ! بشارت قبول فرمائیے۔ آپؐ اللہ کے رسُول ہیں۔ میں جبرئیلؑ ہُوں"۔

خُداوند تعالےٰ کی طرف سے بھیجے ہُوئے مقدّس فرشتے کا یہ آپؐ سے پہلا خطاب تھا۔ اِس لیے آپؐ قدرے سہم سے گئے۔ ہانپتے کانپتے فوراً گھر لوٹے۔ آتے ہی لیٹ گئے اور پھر خدیجہؓ سے کہا "مُجھ پر چادر ڈال دو"۔ کُچھ دیر آرام کے بعد طبیعت ذرا سنبھلی تو آپؐ نے خدیجہؓ کو غار والا سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ پھر آپؐ فرمانے لگے: "میں ایسے ایسے واقعات دیکھتا ہُوں کہ

مجھے اپنی جان کے لالے پڑ گئے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں مجھ پر جنات کا اثر نہ ہو جائے۔"

خدیجہؓ یہ سُن کر پریشان ہوئیں مگر اُنھوں نے اس کا برملا اظہار نہ کیا۔ اُنھوں نے آپؐ کو بہت تسلی دی اور کہا، "آپؐ کو ڈر کا ہے کا ہے۔ آپؐ رشتہ داروں پر شفقت فرماتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ بیواؤں، یتیموں اور حاجت مندوں کی مدد فرماتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ مصیبت زدوں کے ہمدرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی غم زدہ نہیں کرے گا۔ آپؐ پر جنات کا اثر ہرگز نہیں ہو گا۔"

نیک سیرت بیوی کی اس پُر خلوص دلجوئی سے آپؐ کو قدرے اطمینان ہُوا۔ مگر اندر ہی اندر خدیجہؓ خود بھی بے حد مضطرب ہو گئی تھیں۔ اُنھیں اپنے اطمینان کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ آپؐ کو اپنے چچیرے بھائی اور مکّہ کے مشہور دانشور ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بہت نیک، عالی ظرف، ذہین اور عالم شخص تھا۔ وہ بُت پرستی سے بے زار ہو کر عیسائیت قبول کر چکا تھا۔ خدیجہؓ کے کہنے پر آنحضورؐ نے حضرت جبرئیلؑ کے غارِ حرا میں آنے اور بات کرنے کا سارا ماجرا ورقہ کے سامنے بیان کر دیا۔

ورقہ آپؐ کی باتیں بڑے غور سے سُنتا رہا۔ پھر جھٹ بول اُٹھا: "اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، آپؐ تو اس اُمّت کے نبی ہیں۔ بے شک آپؐ کے پاس وُہی ناموسِ اکبر آیا ہے جو موسیٰ علیہ السّلام کے پاس بھی آیا تھا۔ اب آپؐ کو جھٹلایا جائے گا اور اذیتیں پہنچائی جائیں گی۔ آپؐ کو شہر بدر کر دیا جائے۔ آپؐ سے جنگ لڑی جائے گی۔ اگر مجھے وہ دن دیکھنا نصیب ہُوا تو میں ضرور خداوند تعالیٰ کے دینِ حق کی مدد کروں گا۔"

ورقہ نے پھر اپنا سر جھکا کر حضورؐ کے سر مبارک کے وسط میں بڑی عقیدت سے بوسہ دیا۔

ورقہ سے ملاقات سے مطمئن ہو کر حضرت محمدؐ اور حضرت خدیجہؓ گھر واپس آ گئے۔ اِس واقعہ کے چند روز بعد ہی ورقہ کا انتقال ہو گیا۔ وہ بے چارا بے حد ضعیف ہو چکا تھا اور اُس کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔

فرشتے کی دوبارہ آمد

قریباً چھ ماہ بعد آپؐ معمول کے مطابق غارِ حرا میں مصروفِ عبادت تھے کہ فرشتہ پھر آیا۔ اِس دفعہ وہ ہاتھ میں ایک ورق تھامے ہوئے تھا۔ اُس نے آپؐ سے کہا: "پڑھیے!" آپؐ نے گھبراہٹ میں جواب دیا "کیا پڑھوں؟" فرشتہ آپؐ سے بغل گیر ہوا اور پھر کہا: "پڑھیے!" آپؐ نے پھر جواب دیا: "کیا پڑھوں؟" فرشتہ آپؐ سے پھر بغل گیر ہوا اور کہا: "پڑھیے!" آپؐ نے پھر فرمایا: "کیا پڑھوں؟" اس مقام پر فرشتہ آپؐ سے تیسری بار بغل گیر ہوا اور آپؐ سے اِن مبارک آیات کی تلاوت کروائی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ (سورۃ العلق)

"اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے۔ جس نے جہاں تخلیق کیا اور انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ ہاں پڑھیے، تمہارا پروردگار صاحبِ کرم ہے، جس نے قلم کے ذریعے انسان کو ایسی تعلیم دی۔ جس سے وہ پہلے ناواقف تھا۔" (سورہ علق)

یہ پہلی وحی تھی جو آپ پر اللہ کی جانب سے نازل ہوئی۔ اس پہلی وحی ہی سے انسان کے لیے علم کی فضیلت واضح کی گئی ہے اور اسے حاصل کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرشتہ آنحضورؐ کو اپنے ہمراہ دامنِ کوہ میں لے گیا۔ وہاں آپ دونوں نے وضو کیا اور پھر اکٹھے نماز پڑھی۔

دعوتِ حق اور ہنگاموں کا آغاز

اِن سب باتوں سے فارغ ہوکر حضورؐ گھر لوٹے اور آتے ہی تبلیغِ اسلام کا آغاز کردیا۔ آپؐ کی باتوں سے متأثر ہوکر اِکا دُکا لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کردیا۔ چنانچہ آپؐ کی بیوی خدیجہؓ، چچیرے بھائی علیؓ، قریبی دوست ابوبکرؓ اور ذاتی خادم زیدؓ بن حارث تو پہلے دن ہی مسلمان ہوگئے۔ قریبی حلقہ کے یہ چند افراد عرصۂ دراز سے آپؐ کی ایک ایک بات سے بخوبی واقف ہوچکے تھے۔ اُن کا آپؐ پر ایمان لے آنا آپؐ کے سیرت و کردار کی بلندی اور اثر پذیری کا واضح ثبوت ہے۔ اِسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بہتر طریق اِستعمال کرتے تھے۔ اپنے خاندان کے تمام افراد کو اسلام سے روشناس کرانے کے لیے آپؐ اُن کے لیے اپنے ہاں ضیافتوں کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

اِسلام کی ابتدا ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہُوا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد اس وقت بہت کم تھی۔ اِس لیے اِن دِنوں مسلمان پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضورؐ کو اعلانیہ تبلیغ کا حکم ہُوا تو آپؐ نے لوگوں کو اِسلام کی طرف بُلانے کا کھلم کھلا سلسلہ شروع کردیا۔

رفتہ رفتہ تھوڑے بہت اور لوگ بھی آپؓ کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔ پھر ایک دن ایسا بھی آیا جب آپؐ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر بلند آواز سے لوگوں سے خطاب کیا اور نہایت دلنشین انداز میں انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

جب قریب قریب چالیس افراد پر مشتمل مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تیار ہو گئی تو ایک دن خانہ کعبہ میں جا کر آپؐ نے توحید کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو بتوں کی پوجا ترک کرنے کی تلقین کی۔ کفار کے نزدیک یہ بات خانہ کعبہ کے بتوں کی سخت توہین تھی۔ چنانچہ وہ لوگ بہت برانگیختہ ہوئے اور سخت طیش میں آ گئے۔ دفعتاً ایک خون ریز ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھپرے ہوئے کافر ہر سمت سے آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔

حضرت حارثؓ ابی ہالہ کو اس تشویشناک واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ گھر سے بھاگم بھاگ کعبہ پہنچے اور آپؐ کو بچانے کے لیے آگے لپک کر مشتعل ہجوم سے گتھم گتھا ہو گئے۔ کفار کی تلواریں آپ پر برس پڑیں۔ چنانچہ آپ شدید زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے اور وہیں شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ کسی معصوم کا پہلا خون تھا جس سے خانہ کعبہ کی مقدس زمین سرخ ہوئی۔

8

نفسیاتی حربوں کی یلغار

- بدنام کرنے کی سازشیں
- گردن میں چادر کا چکر
- محمدؐ کی بجائے مُذمّم
- اُونٹ کے فُضلے والا واقعہ
- ابُوجہل کی گستاخی
- مکمل بائیکاٹ کا دباؤ
- طائف میں طعنے اور اذیتیں
- حضورؐ کی ہجو سرائی
- پانچ بدتمیز مسخروں کا انجام
- اقتدار اور دولت کے سبز باغ
- "ذہنی توازن" کے جھانسے
- موت کی بددُعائیں

جُوں جُوں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تبلیغی پروگرام میں توسیع ہوتی چلی گئی اور اِس کا دائرۂ اثر پھیلتا گیا توں توں مکّہ کے کفار آپؐ کی مخالفت کرنے اور مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھانے میں شدت

اختیار کرتے چلے گئے۔ دشمنوں کی یہ مذموم حرکتیں اس قدر زیادہ، اس قدر متنوع اور اس قدر تکلیف دہ تھیں کہ انسان ان کے تصور ہی سے لرز اٹھتا ہے۔ جب کافروں نے دیکھا کہ محض زبانی کلامی مخالفت سے بات نہیں بنتی تو انھوں نے آنحضورؐ کو اقتدار، دولت اور سکوں کے سبز باغ بھی دکھلائے۔ یہ عیار چالیں بھی ناکام ہوئیں تو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کو آبائی گھروں اور شہر سے نکال باہر کرنے کے اذیت دہ منصوبے بنلائے۔ خونریز جنگ و جدل کی دھمکیاں دیں۔ مسلمانوں کے محاصرے کیے۔ اُن کے معاشرتی اور اقتصادی بائیکاٹ کیے تاکہ وہ اپنے دین سے بے زار ہو کر اسے ترک کر دیں یا دشمنوں کی اندھا دھند جارحیت کا شکار ہو کر ویسے ہی مٹ جائیں۔ مگر اذیتوں اور اُلجھنوں کے ان تمام مذموم حربوں کے باوجود آپؐ اپنے مؤقف پر مضبوط چٹان کی مانند ڈٹے رہے۔ بلکہ دشمنوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کے ساتھ ساتھ آپؐ کے صبر و تحمل، عزم و ہمت اور ایثار و استقلال میں حیرت انگیز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

دشمنوں کے خطرناک منصوبوں اور ظلم و ستم کی کارروائیوں کو تین بڑے عنوانوں کے تحت سمجھا جا سکتا ہے :

اوّل : ذلیل و رُسوا کرنے کے نفسیاتی حربے

دوم : کالے جادو اور طلسم کے خطرناک وار

سوم : مختلف طریقوں سے قتل کے منصوبے

تاریخِ انسانیت میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ واحد ہستی ہیں جن کو ختم کرنے کے لیے اِس قدر خطرناک سازشیں اور اِتنے متنوع حربے اِستعمال ہوئے۔ تاریخِ عالم میں آپؐ ہی وہ منفرد ہستی ہیں جو اتنی بڑی تعداد میں

اس قدر عیار سازشوں کے باوجود طاقت ور دشمنوں کے نرغے سے برابر نکل جاتے رہے اور اُن سب کے لیے حددرجہ مایوسی اور بے بسی کا باعث بنتے رہے۔

ظلم وستم کے ان سفاک منصوبوں کی تفصیلات بے حد حیرت انگیز ہیں۔ ان میں سے اکثر واقعات تو رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ یہ آپ کی معاملہ فہمی اور مستقل مزاجی ہی کا کمال تھا کہ آپ ان مہلک حربوں سے قطعی خائف نہ ہوئے۔ باطل کے آگے گھٹنے ٹیکنے کی بجائے آپ نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ چنانچہ دشمنوں کو انجام کار ہر محاذ پر شکست ہوئی اور اسلام کا بول بالا ہوا۔ دشمنوں کے مخالفانہ حربوں کی جن تین بڑی قسموں کا اُوپر حوالہ دیا گیا ہے۔ وہ اس قدر بھیانک اور اس قدر دلچسپ ہیں کہ اُن کا قدرے مفصل ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے اس باب اور اگلے دو بابوں میں اُن پر علیحدہ علیحدہ عنوانوں کے تحت روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب میں فقط اُن تمام مذموم نفسیاتی حربوں کے مختصر خاکے پیش کیے جا رہے ہیں جو حضورؐ کو ذلیل و رسوا اور دل برداشتہ کرنے کے لیے کفارِ مکہ عام استعمال کرتے تھے۔

بدنام کرنے کی سازشیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین سیرت و کردار میں اِس قدر سحر تھا کہ ابتدائی عمر ہی میں ہر خاص و عام آپؐ کو "امین" اور "صادق" کے معزز ترین القابات سے یاد کرنے لگا۔ مگر جونہی آپؐ نے بتانِ کعبہ کی بے بسی اور کفارِ مکہ کے اندازِ حیات کے کھوکھلے پن کا بھانڈا پھوڑنا شروع کیا سب چھوٹے بڑے مشتعل ہو گئے۔ انھوں نے انتقاماً آپؐ کو بدنام کرنے کی گھٹیا سازشیں

بنائیں۔ چنانچہ آپؐ کو ذلیل و رُسوا کرنے کے لیے ہر قسم کے بدمعاشوں اور بدکاروں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا گیا۔

ایک روز تو یہ ہُوا کہ جب آپؐ گھر سے باہر نکلے تو گلی بازار میں جو بھی آپؐ سے ملتا آپؐ کو "جھوٹا" کہتا اور طرح طرح کے طعنے دیتا۔ اس روز آپؐ سے بے انتہا گستاخ اور ذلیل کُن رویہ اختیار کیا گیا۔ بدنامی کے یہ اوچھے وار حضورؐ کے دِل پر لگے۔ آپؐ جلدی جلدی گھر لوٹے۔ بستر پر لیٹ کر ایک چادر اُوپر اوڑھ لی اور یُوں اپنے جذباتی زخموں کا مداوا کرنے لگے۔ اسی موقعہ پر اللہ تعالٰے نے اس مشہور سورہِ مبارکہ میں آپؐ کی یُوں دلجوئی فرمائی: "اے چادر لپیٹ کر لیٹنے والے! اُٹھ اور لوگوں کو خبردار کر۔" (سورۂ مدثّر)

گردن میں چادر کا چکّر

بدذوقی کا یہ بھونڈا مظاہرہ بھی ملاحظہ ہو۔ ایک دن حضورؐ خانہ کعبہ میں مصروفِ عبادت تھے۔ عقبہ بن معیط بھی ادھر آ نکلا۔ اُس نے آپؐ سے ٹھٹھا کرنے کا یہ موقع غنیمت سمجھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی چادر اُتاری اور اسے حضورؐ کی گردن کے گرد لپیٹ دیا۔ پھر اسے اِس زور سے جھٹکا دیا کہ آپؐ زمین پر گر پڑے۔ اِس پر بدتمیز عقبہ اور اُس کے گنوار ساتھی مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

محمدؐ کی بجائے مُذمّم

آپؐ کی دل کش شخصیت و کردار کی طرح آپؐ کا اسم گرامی بھی بے حد پیارا تھا۔ محمدؐ عربی زبان کا بے حد حسین لفظ ہے، جس کے معنی

ہیں "قابلِ تعریف"۔ بد ذوق کفارِ مکّہ کا ایک مرغوب مشغلہ یہ بھی تھا کہ وہ حضورؐ کے نام کو بگاڑتے رہتے تھے۔ چنانچہ محمدؐ کی بجائے وہ اکثر آپؐ کو مُذمّم یعنی "قابلِ مذمت" بھی کہتے رہتے۔

حضورؐ ان تمام گستاخیوں اور بدذوقیوں کو نظر انداز فرماتے اور صبر و تحمل سے کام لیتے تھے۔ آپؐ اکثر فرمایا کرتے تھے: "کیا تمھیں اُن ضربوں پر حیرت نہیں ہوتی جو قریش مجھے دینا چاہتے ہیں مگر جن سے اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھتے ہیں، وہ مجھے مُذمّم ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ مگر میں تو فی الحقیقت محمدؐ ہی ہوں۔"

اُونٹ کے فُضلے والا واقعہ

ایک دن حضورؐ خانہ کعبہ میں عبادت میں مگن تھے۔ قریش کا بڑا اکھڑ سردار ابُوجہل اپنے بدمعاش ساتھیوں سے کہنے لگا: "فلاں جگہ کسی نے اُونٹ ذبح کیا ہے اور اُس کا فُضلہ (اوجھ) ابھی تک گلی میں پڑا ہے۔ اگر کوئی اُسے اُٹھا لائے تو میں اسے محمدؐ پر دے ماروں گا۔" یہ سُنتے ہی عقبہ وُہ فضلہ اٹھا لایا۔ جونہی حضورؐ سجدے میں گئے گندا فضلہ آپؐ کی گردن مبارک پر پھینک دیا گیا۔ اور پھر اس بدتمیزی پر ہر طرف قہقہے گونجنے لگے۔

حضورؐ کا مبارک جسم گندگی میں لت پت ہو گیا۔ ابوجہل اور اُس کا ٹولہ بے حد خوش ہُوا۔ کسی نے حضورؐ کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کو اس واقعے کی اِطلاع کر دی۔ وُہ اس وقت بمشکل پانچ چھ برس کی تھیں۔ بیچاری بھاگم بھاگ خانہ کعبہ پہنچیں۔ گندے فضلے کو حضورؐ کے جسم سے اٹھایا۔ غلاظت کو صاف کیا اور بدتمیز ابوجہل اور عقبہ کو سخت سُنائیں۔

ابوجہل کی گستاخی

ایک دفعہ حضورؐ کوہِ صفا سے گزر رہے تھے کہ ابوجہل اپنے گستاخ انداز میں آپؐ پر آوازے کسنے لگا۔ جب اس ذاتی تضحیک و تمسخر سے اُس کا جی نہ بھرا تو وہ اسلام کے بارے میں ناروا باتیں بکنے لگا۔ مگر اُس کی اِس گستاخی اور بدذوقی پر حضورؐ نے کمال صبر و تحمّل کا ثبوت دیا اور بالکل خاموش رہے۔

اُس دن حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ شکار کے لیے مکّہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ایک عورت نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ حمزہؓ شکار سے لوٹے تو اُس نے آپ کو سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ حمزہؓ طیش میں آ گئے اور سخت غصّہ کی حالت میں ابوجہل کی تلاش میں چل نکلے۔ ابوجہل ایک جگہ بیٹھا اپنے دوستوں سے گپ شپ لڑا رہا تھا۔ حمزہؓ نے اُسے دیکھتے ہی اپنی کمان مار کر اُس کا سر زخمی کر دیا اور پھر بولے: "تمھیں محمدؐ کی بے عزّتی کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ لو اب ذرا غور سے سُنو! میں بھی اسلام قبول کر رہا ہوں۔ اب سے آئندہ میں بھی وہی کچھ کہوں گا جو محمدؐ کہتے ہیں۔ اگر تم میں جرأت ہے تو مجھ سے اُلجھ کے تو دیکھو!"

ابوجہل کے چند ساتھی اُس کی حمایت میں اُٹھنے ہی تھے کہ اُس نے انھیں یہ کہہ کر روک دیا: "اِسے جانے دو۔ آخر میں نے بھی تو اس کے بھتیجے کو غلیظ گالیاں دی ہیں۔"

مکمل بائیکاٹ کا دباؤ

جب مسلمانوں پر آلام و مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے اور مکّہ میں
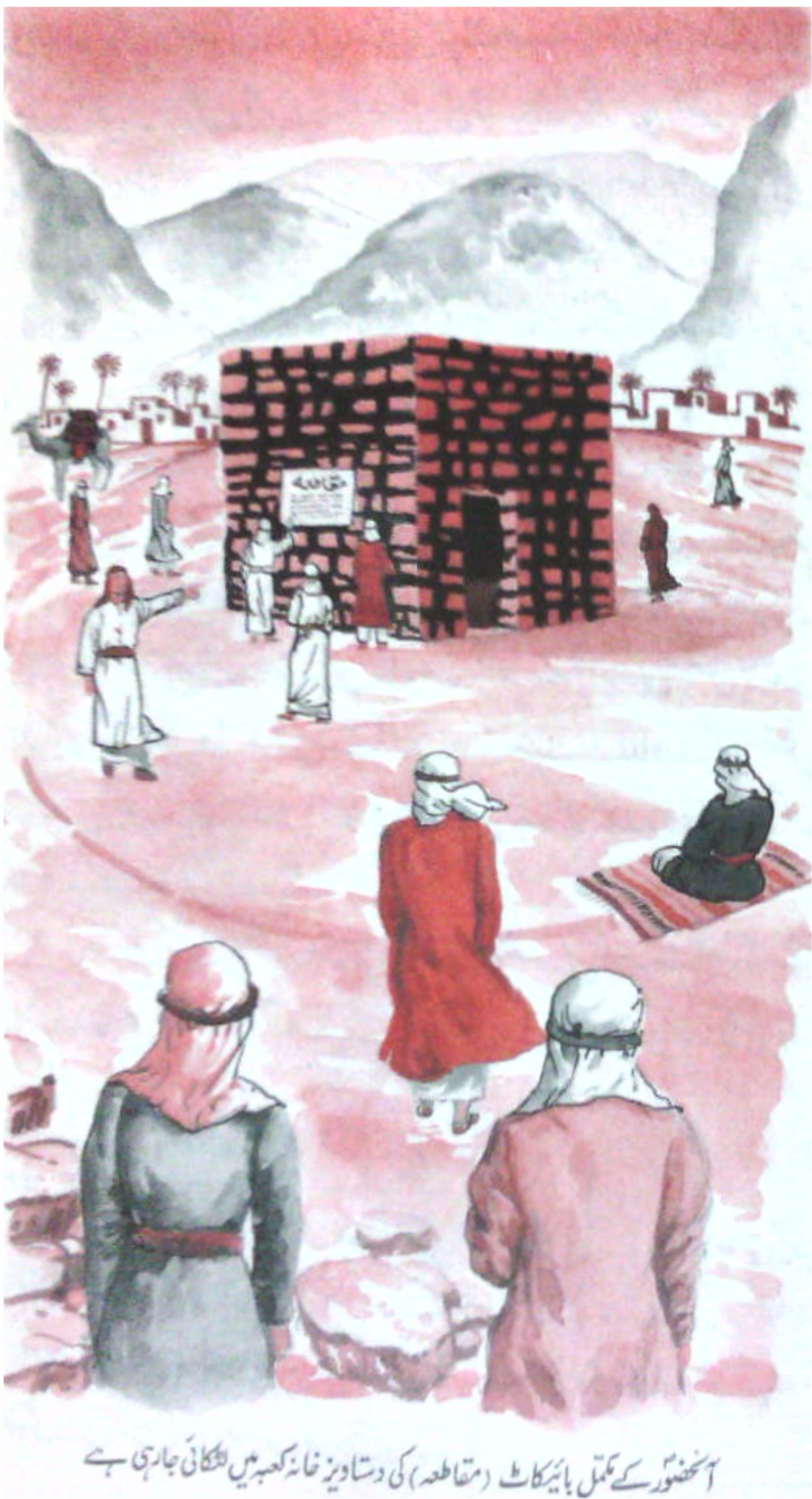
آنحضورؐ کے مکمل بائیکاٹ (مقاطعہ) کی دستاویز خانہ کعبہ میں لٹکائی جا رہی ہے

میناد و بھر ہو گیا تو حضورؐ کے بعض ساتھی ہجرت کر کے حبشہ آباد ہو گئے۔ کفار کو حسرت تھی کہ یہ لوگ اُن کی ایذا رسانی کی زد سے کیونکر بچ نکلے۔ اُدھر ایک بے حد مؤثر اور طاقتور شخصیت یعنی حضرت عمرؓ بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔ مختلف عرب قبائل بھی آہستہ آہستہ اسلام کی طرف مائل ہوتے چلے جا رہے تھے۔ حضورؐ کا انقلابی مشن خاصا کامیاب ہوتا دکھائی دینے لگا تو کافروں کی پریشانی مزید شدت اختیار کر گئی۔

صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے کافروں نے ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا۔ فیصلہ یہ ہُوا کہ حضورؐ کے قبائل بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد کا فوری بائیکاٹ (مقاطعہ) کر دیا جائے۔ بائیکاٹ کے اس منصوبے کے تحت مسلمانوں کے ساتھ شادی بیاہ اور ہر قسم کے لین دین پر مکمل پابندی لگا دی گئی۔ حضورؐ اور مسلمانوں کے خلاف اپنی نفرت اور عداوت کو مستقل دستاویزی شکل دینے کی خاطر بائیکاٹ کے اس فیصلہ کو ایک کاغذ پر لکھ کر خانہ کعبہ کے وسط میں لٹکا دیا گیا۔

نفرت کی اس مشہور دستاویز کا کاتب منصور بن عکرمہ تھا۔ حضورؐ نے اُسے بد دُعا دی تو اُس کی اُنگلیاں بے حس ہو کر ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گئیں۔

طائف میں طعنے اور اذیتیں

۶۱۹ء کے لگ بھگ جب مکہ میں کفار کی نفسیاتی یلغار خاصی تیز ہو گئی تو حضورؐ نے طائف میں تبلیغ کر کے وہاں کے کچھ بااثر لوگوں کو مسلمان کرنا چاہا۔ طائف مکہ سے مشرق کی جانب تقریباً ۹۰ کلومیٹر دُور واقع ہے۔ حضورؐ سارا راستہ پیدل چل کر وہاں پہنچے۔

قدیم شہر طائف کا ایک منظر

طائف میں اُن دنوں تین بھائیوں کو بہت رسوخ اور اقتدار حاصل تھا۔ آنحضورؐ ان تینوں سے فرداً فرداً ملے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ مگر اُن سنگدل بھائیوں نے آپؐ کی دعوتِ حق کو نہ صرف ٹھکرا دیا بلکہ آپؐ کی سخت طعن و تشنیع کی اور انتہائی گستاخی سے پیش آئے۔ انھوں نے اپنے غلاموں، گلی بازار کے آوارہ لونڈوں اور طائف کے بدنام بدمعاشوں کو حضورؐ کے خلاف بھڑکا دیا۔ چنانچہ آناً فاناً ایک ہلّہ گلّہ سا ہو گیا اور ایک بے حد مشتعل ہجوم آپؐ کے پیچھے لگ گیا۔ انھوں نے آپؐ پر غلیظ گالیوں اور نوکیلی کنکریوں کی بوچھاڑ کر دی۔ حضورؐ شدید زخمی ہو گئے۔ آپؐ کے جسم کے کئی حصّوں سے خون بہنے لگا۔ مگر درندہ صفت بلوائیوں کا وہ سفاک ٹولہ پھر بھی آپؐ کا تعاقب کرتا رہا۔

آخر آپؐ انگوروں کے ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور وہاں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ یہ باغ دو شریف الطبع بھائیوں کی ملکیت تھا۔ طائف کے بدمعاشوں کی درندگی سے انھیں حضورؐ سے کچھ ہمدردی سی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ انھوں نے انگوروں کا ایک گچھا ایک پلیٹ میں ڈال کر اپنے عیسائی غلام عدّاس کے ہاتھ حضورؐ کی طرف بھیجا۔ عدّاس جب انگور اُٹھائے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ کی طلسماتی شخصیت اور مہذب اندازِ گفتگو سے اِس قدر متاثر ہوا کہ اُس نے حضورؐ کا سرِ مبارک، ہاتھ اور پاؤں چومنے چاٹنے شروع کر دیے۔ اُس کے آقا دُور کھڑے یہ سب تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب عدّاس واپس لوٹا تو انھوں نے حضورؐ سے اُس کے والہانہ اظہارِ عقیدت پر اُس کی سخت سرزنش کی۔

طائف کے غنڈوں کی وحشیانہ حرکتوں سے بھی حضورؐ کے عزم و استقلال

میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ صبر و تحمل سے گھر واپس تشریف لے آئے اور آتے ہی اُسی ہمت اور ولولہ سے اپنے تبلیغی مشن میں مصروف ہو گئے۔

حضورؐ کی ہجو سرائی

ابولہب اور اُس کی بیوی اُمّ جمیل حضورؐ کی ہمسائیگی میں رہتے تھے۔ اور دونوں میاں بیوی آپؐ کو بہت تنگ کیا کرتے تھے۔ اُمّ جمیل حضورؐ کے کے راستے میں کانٹے بچھایا کرتی تھی اور آپؐ کو بہت ستایا کرتی تھی۔ جب ابولہب اور اُس کی مکّار بیوی کی ایذا رسانی حد سے بڑھ گئی تو سورہ اللہب نازل ہوئی جس کی آیات یُوں ہیں :

۱۔ ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہو گیا۔

۲۔ اُس کا مال اور اُس کی کمائی اُس کے کسی کام نہ آئے۔

۳۔ وُہ ضرور شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا۔

۴۔ اور (اُس کے ساتھ) اُس جورو بھی لگائی بجھائی کرنے والی (فساد کا ایندھن اٹھانے والی)۔

۵۔ اُس کی گردن میں مُونجھ کی رسی ہو گی۔ (سورہ اللہب)

دونوں میاں بیوی کی ہولناک تباہی کی پیش گوئی کا چرچا ہُوا تو اُمّ جمیل سخت برہم ہُوئی۔ اُس نے طیش میں آکر ایک بڑا سا پتھر اُٹھایا اور حضورؐ کو مارنے کے لیے اُس مسجد کی جانب چل دی جہاں حضورؐ ابوبکرؓ کے ساتھ بیٹھے ہُوئے تھے۔ پھر عجب بات یہ ہُوئی کہ اُسے ابوبکرؓ تو نظر آ گئے مگر حضورؐ کو وہ بالکل نہ دیکھ سکی۔ چنانچہ اِسی حالت میں ابوبکرؓ سے کہنے لگی : "تمہارا دوست کہاں ہے ؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ اُس نے میری مذمت کی ہے۔ خُدا کی قسم، اگر آج

وہ میرے ہاتھ لگ جاتا تو میں اس پتھر سے اُس کا مُنہ پھوڑ دیتی۔ بخدا میں تو خود بھی شاعرہ ہُوں۔" پھر اُس نے سورہ لہب کے جواب کے طور پر آپؐ کی ہجو اور اسلام کی مذمت میں اپنے چند شعر پڑھے اور یُوں دل ہلکا کر کے واپس چل دی۔

جب وہ الھڑ بُڑھیا آنکھوں سے اُوجھل ہو گئی تو ابو بکرؓ نے حیرت سے حضورؐ کی طرف دیکھا اور پُوچھا: "آپؐ اُسے نظر کیوں نہ آئے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالٰے نے اُس میں مجھے دیکھ پانے کی صلاحیت سلب کر دی تھی۔"

پانچ بدتمیز مسخروں کا انجام

کئی بدتمیز گنواروں نے حضورؐ کی شان میں گستاخی کے تمسخر آمیز حربے بھی استعمال کیے۔ آپؐ کا تمسخر اُڑانے والوں میں جو پانچ بدتمیز افراد بہت رُسوا ہُوئے، اُن کے نام یہ ہیں (۱) اَسود بن عبدالمطلب (۲) اَسود بن عبد یغوث (۳) ولید بن مغیرہ (۴) عاص بن وائل اور (۵) حارث بن الطلاطلہ۔

یہ لوگ خاصے عمر رسیدہ تھے اور اپنے اپنے قبیلوں میں کافی "معزز" سمجھے جاتے تھے۔ اُنھوں نے حضورؐ کا مذاق اُڑانے اور انھیں تنگ کرنے میں انتہا کر دی تھی۔ آخر کار اس بدتمیزی کی پاداش میں یہ پانچوں گنواروں کا ٹولہ اپنے عبرتناک انجام کو جا پہنچا۔ اَسود بن عبدالمطلب اندھا ہو گیا۔ اَسود بن عبد یغوث کو استسقاء کا مرض لاحق ہُوا۔ اس کا پیٹ پھُول گیا اور وہ شدّتِ مرض سے چل بسا۔ ولید ٹخنے پر شدید زخم سے موت کا شکار ہُوا۔ عاص کے پاؤں میں کانٹا چُبھا اور زخم بگڑتے بگڑتے جان لیوا ثابت ہُوا۔ اسی طرح حارث کے سر میں پیپ سے اُس کی موت واقع ہُوئی۔

اِقتدار اور دولت کے سبز باغ

دشمنوں نے ایک بے حد دلفریب حربہ بھی اِستعمال کیا۔ مگر وہ بھی بے کار ثابت ہُوا۔ حضورؐ کو اِس شرط پر اعلیٰ اقتدار اور بیش بہا دولت کی بار بار پیش کش کی گئی کہ آپؐ کفار کے برگزیدہ بُتوں، مروجہ رسوم و رواج اور قدیم اندازِ حیات کی مذمت ترک کر دیں۔ اور اپنے نئے پروگرام کی تعمیل کے لیے تبلیغ و اصلاح کے سلسلے بند کر دیں۔

کفار حضورؐ سے پُوچھتے: "کیا آپؐ کو مال و زر کی ضرورت ہے؟ ہم آپؐ کو مُنہ بولی دولت دینے کے لیے ہر لمحہ تیار ہیں۔ اگر آپؐ سیاسی اقتدار چاہتے ہوں تو ہم آپؐ کو متفقہ اور غیر مشروط طور پر اپنا قائد مان لیتے ہیں۔ کیا آپؐ کا مطمعِ نظر بادشاہت ہے؟ ہم آپؐ کو اپنا حکمران تسلیم کیے لیتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔

ان بیش بہا پیش کشوں کا بھی حضورؐ پر کوئی خاطر خواہ اثر مرتب نہ ہو سکا۔ بلکہ آپؐ فرمایا کرتے تھے: "اگر قریش سردار میرے ایک ہاتھ میں سُورج اور دُوسرے میں چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اپنے مشن سے ہرگز دستبردار نہ ہوں گا۔ بلکہ اس کی تکمیل کے لیے اپنی جان تک دینے کے لیے بھی ہر وقت تیار ہوں۔"

"ذہنی توازن" کے جھانسے

بعض سادہ لوح یہ سمجھتے تھے کہ حضورؐ آسیب زدہ ہیں اور ان پر جن بُھوت کا سایہ ہے۔ چنانچہ اس قسم کے کم فہم لوگ حضورؐ کو یہ پیش کش بھی کرتے رہے کہ اگر آپؐ بُتوں کی مخالفت ترک کر دیں تو وہ آپؐ کی

"ذہنی تکلیف" کا مکمل علاج بھی کرا دیں گے۔ اور یوں آپ سکون اور طمانیت سے ہمکنار ہو جائیں گے۔

ایسے جاہلوں کو احساس تک نہ تھا کہ وہ تو خود ہی خطرناک ذہنی امراض کے شکار ہو چکے تھے اور اُن کے اندازِ فکر و عمل اُنھیں کشاں کشاں تباہی و بربادی کی جانب دھکیل رہے تھے۔

موت کی بددعائیں

جب مکہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جینا دوبھر کر دیا گیا تو آپ مدینہ ہجرت فرما گئے۔ تاہم دشمنوں کی نفسیاتی یلغار یہاں بھی اسی شد و مد سے جاری رہی۔ مکہ میں آپ کو تنگ کرنے میں کافر پیش پیش تھے۔ مگر مدینہ میں اس ذلیل حرکت کی قیادت یہودیوں کے ہاتھ آئی۔ یہودی جب بھی آپ کو دیکھتے، طعنے دیتے اور آوازے کستے۔ آپ سے ملتے تو صحیح طریقے سے السلام علیکم کہنے کی بجائے السام علیکم (یعنی آپ کی موت ہو) کہتے۔

حضورؐ کی دشنام طرازی اور ایذا رسانی میں مدینہ کے یہودی مکہ کے کافروں سے بازی تو نہ جیت سکے مگر اپنی طرف سے اُنھوں نے بھی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ مگر ان سب باتوں سے حضورؐ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ لوگوں کو بُرائی سے بچانے اور نیکی کی طرف مائل کرنے کے لیے آپ مسلسل جدوجہد کرتے چلے گئے۔ بلکہ جوں جوں آپ کی جسمانی اذیتیں بڑھتی گئیں توں توں آپ نیکی اور بدی کی مذمت میں شدت اختیار کرتے چلے گئے۔

اپنے نفسیاتی حربوں کی ناکامی اور حضورؐ کے عزم و استقلال میں ترقی سے دشمنوں کی مایوسی اور اضطراب کی انتہا نہ رہی اور اُن کی مخالفت اور نفرت دن بدن زیادہ شدید اور زیادہ خطرناک رُوپ دھارتی چلی گئی۔

9

قاتلانہ حملوں کی بھرمار

- پہلا قاتلانہ حملہ
- غنڈوں کا ہلّہ اور بیچ بچاؤ
- پتھر سے سر کچلنے کا منصوبہ
- عمرؓ نے قتل کی ٹھان لی
- سوتے میں قتل کی گھناؤنی سازش
- زہریلی تلوار سے قتل کا ارادہ
- جنگِ اُحد میں قتل کی کوششیں
- "تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟"
- پتھر تلے کچلنے کی سازش
- "ضیافت" میں ہلاکت کا منصوبہ
- فرضی "مباحثہ" میں قاتلانہ حملہ
- بارہ نقاب پوشوں کا ہنگامہ
- "باتوں باتوں" میں قتل کا منصوبہ
- بھُنے ہوئے زہریلے بکرے کا ڈرامہ
- طواف کے دوران قاتلانہ حملہ
- "میں آج محمد کو ختم کر دوں گا"

کافروں اور یہودیوں کو اس بات سے سخت رنج تھا کہ حضورؐ نے اُن کے آبائی مذہب اور اندازِ حیات کے کھوکھلے پن کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ چنانچہ وہ حضورؐ کو ختم کرنے کی ناپاک سازشیں تیز ترکرتے چلے گئے۔ مکّی اور مدنی زندگی کے مختلف مرحلوں پر پتھر، تلوار، تیر اور زہر کی مدد سے آپؐ پر جتنے قاتلانہ حملے ہُوئے یہاں ان سب کی تفصیلات کو یکجا کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ دشمن کے یہ سب حربے ناکام ہوتے اور آپؐ ہر بار اُس کے نرغے سے نکل جاتے رہے۔

پہلا قاتلانہ حملہ

آپؐ پر پہلا قاتلانہ حملہ مکّہ میں ہُوا۔ اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ ہُوا یُوں کہ ایک روز حضورؐ خانہ کعبہ میں داخل ہُوئے اور خُدا کی واحدنیت کا کھلم کُھلا اعلان فرما دیا۔ کفارِ مکّہ نے اسے اپنے محبوب بُتوں کی سخت توہین تصوّر کیا۔ چنانچہ شمشیریں نیاموں سے باہر نکل آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب آپؐ پر پل پڑے۔

حضورؐ کے ایک صحابی حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ اس وقت اپنے گھر پر تھے۔ جب اُنھیں صُورتِ حال کی اِطلاع ہُوئی تو وہ تشویش اور اضطراب کے عالم میں کعبہ کی جانب اُٹھ بھاگے اور اندر داخل ہوتے ہی حضورؐ کو بچانے کیلئے مشتعل ہجوم سے گتھم گتھا ہو گئے۔ اس خُون ریز ہنگامہ میں حضورؐ تو بچ گئے مگر حارث کفار کے ہتھے چڑھ گئے۔ وہ شدید گھائل ہوکر زمین پر گر پڑے اور زخموں کی تاب نہ لاکر موقعہ پر ہی جاں بحق ہو گئے۔

حضورؐ اور حق کے دفاع میں یہ پہلی شہادت تھی جس نے ایک جان نثار صحابی کے مقدّس خون سے کعبہ کی سرزمین کو رنگین کر دیا۔

غنڈوں کا حملہ اور بیچ بچاؤ

ایک روز آپؐ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ چند غنڈوں نے آپؐ پر آوازے کسے اور بے بنیاد الزام لگائے۔ جب اُن غنڈوں نے مل کر بار بار اس عمل کو تیسری بار دہرایا تو حضورؐ طواف کرتے کرتے چند لمحوں کے لیے رُکے اور انھیں نہایت سختی سے ڈانٹتے ہوئے کہا "اے اہلِ قریش! قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں تمھیں فنا کردوں گا۔"

حضورؐ نے اِس قسم کا تلخ لہجہ کبھی اختیار نہ کیا تھا۔ غنڈوں نے جب آپؐ کے تیور بدلتے دیکھے تو سراسیمہ سے ہو گئے۔ انھوں نے اپنی بکواس فوراً بند کردی اور انتہائی نرم انداز میں بولے: "چلو چھوڑو اے محمدؐ! بخدا آپؐ تو متشدد نہ ہوا کرتے تھے۔" اس پر آپؐ نے طواف کا سلسلہ پھر شروع کردیا اور یوں بظاہر یہ بات آئی گئی ہو گئی۔

دوسرے دن وُہی بدمعاش کعبہ میں پھر جمع ہوئے اور پچھلے روز کے واقعہ پر سوچ بچار کرنے لگے۔ انھیں سمجھ نہیں آتا تھا کہ حضورؐ سے اتنی تند تلخ باتیں سُننے کے باوجود انھوں نے آپؐ کو اپنی گرفت سے نکلنے کیونکر دیا۔ ابھی وُہ اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ حضورؐ بھی خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ غنڈوں نے آپؐ کو چاروں طرف گھیر لیا اور بولے: "تم وہی ہو نا جس نے ہمارے بُتوں اور ہمارے مذہب کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کی تھیں؟" آپؐ نے انتہائی جرأت سے فوراً جواب دیا: "ہاں، وہ شخص میں ہی ہوں جس نے یہ سب کچھ کہا تھا۔" اس پر غنڈے اور مشتعل ہو گئے اور آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک بدتمیز نے تو سامنے سے بڑھ کر آپؐ کا جبّہ بھی پکڑ لیا۔

مُعاملہ زیادہ سنگین صورت اختیار کرنے ہی والا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ بچاؤ کے لیے بیچ میں کُود پڑے۔ آپؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ چلّا چلّا کر کہہ رہے تھے: "خُدا تمھیں برباد کرے۔ کیا تم ایک شخص کو محض اس لیے ختم کرنے پر تُلے بیٹھے ہو کہ وُہ کہتا ہے کہ میرا مالک خُدا ہے؟" اس پر غنڈے مزید مشتعل ہو گئے۔ اُنھوں نے حضوؐر کو تو چھوڑ دیا مگر ابوبکرؓ کو دبوچ لیا۔ اُنھوں نے آپؓ کی داڑھی کھینچی۔ ابوبکرؓ کے سر کے بال گھنے تھے۔ غنڈوں نے آپؓ کے بالوں کو انتہائی بے دردی سے نوچا اور آپؓ کو بہت مارا پیٹا۔ جب یہ ہنگامہ ختم ہُوا تو حضرت ابوبکرؓ نہ صرف زخمی ہو چُکے تھے بلکہ سخت درد سے اُن کا سر بھی پھٹا جا رہا تھا۔

پتھر سے سر کُچلنے کا منصوبہ

ایک دفعہ ابوجہل نے لوگوں کو حضوؐر کے خلاف کُچھ زیادہ ہی بھڑکا دیا۔ اس نے پھر اعلان کیا کہ وہ اگلے دن ایک وزنی پتّھر سے حضوؐر کا خاتمہ کر دے گا۔ چنانچہ دُوسری صُبح ابوجہل سچ مُچ ایک بہت بڑا پتّھر اُٹھا لایا اور خانہ کعبہ میں اِس گھات میں بیٹھ گیا کہ جُونہی حضوؐر سجدہ میں جائیں وہ پتّھر مار کر آپؐ کا سر کُچل ڈالے۔ جب آپؐ سجدہ میں گئے تو ابوجہل پتّھر اُٹھائے بڑی پُھرتی سے آپؐ کی طرف لپکا۔

اُس کے چند ساتھی پاس ہی کھڑے یہ سب تماشہ دیکھ رہے تھے۔ وُہ اِسی اِنتظار میں تھے کہ حضوؐر کا اب کام تمام ہُوا کہ ہُوا۔ مگر کیا دیکھتے ہیں کہ حضوؐر کے عین قریب پُہنچ کر ابوجہل نے یک لخت پلٹا کھایا۔ وہ خوف سے سخت سہما ہُوا تھا۔ اُس کا رنگ اُڑا جا رہا تھا اور وُہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس کے

دونوں ہاتھ پتھر پر جم چکے تھے۔ وہ دفعتاً پیچھے ہٹا اور پتھر کو پرے پھینک دیا۔ ابوجہل کے سب ساتھی اُس کی غیر متوقع اور قدرے عجیب حرکت پر سخت حیران تھے۔ اُنھوں نے بعد میں اس کے بارے میں پُوچھا تو ابُوجہل بولا: "میں اُس کے سر پر کھڑا ہو کر وہ کام کرنے ہی والا تھا جس کا میں نے کل اعلان بھی کردیا تھا۔ مگر جُونہی ذرا اور قریب ہُوا تو کیا دیکھتا ہُوں کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان ایک بہت بڑا اُونٹ کھڑا ہے۔ بخدا میں نے آج تک اتنا بڑا اُونٹ نہیں دیکھا تھا۔ نہ کسی اُونٹ کی ایسی گردن اور نہ ہی ایسے دانت دیکھے تھے۔ وہ اُونٹ تو مجھے نگلنے ہی لگا تھا۔" جب حضورؐ سے اُس "اُونٹ" کے بارے میں پُوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "وہ تو جبرئیلؑ تھے۔ ابوجہل اُن کے قریب چلا جاتا تو اُنھوں نے اُسے دبوچ لینا تھا۔"

عمرؓ نے قتل کی ٹھان لی

اِسلام قبول کرنے سے پہلے ایک دفعہ حضرت عُمرؓ نے بھی آپؐ کو قتل کرنے کا اِرادہ کرلیا تھا۔ اِسلام کی بڑھتی ہُوئی مقبولیت سے تنگ آکر آپؓ نے ایک تیز تلوار اُٹھائی اور آپؐ کو ٹھکانے لگانے کے لیے گھر سے چل نکلے۔ راستے میں آپؓ کو نعیمؓ بن عبداللہ ملے تو اُنھوں نے کہا: "تمھاری بہن اور بہنوئی بھی مُسلمان ہو چکے ہیں۔ پہلے اُن کی خبر تو لو۔"

عمرؓ اور طیش کھا گئے۔ اُنھوں نے فوراً راستہ بدلا اور سیدھے بہن کے گھر جا پہنچے۔ عمرؓ بہت طاقتور اور تُرش رُو جوان تھے۔ اُنھوں نے آتے ہی بہنوئی کو لہولہان کردیا۔ مگر جب بہن کو تلاوتِ قرآن کرتے سُنا تو اُن کی ذہنی کائنات ہی بدل گئی۔ پھر وہی عمرؓ جو آنحضورؐ کو ختم کرنے کی نیت سے

لٹکائے تھے، تلوار نیام میں ڈالے نہایت ادب و احترام سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جب اُنھوں نے اسلام قبول کر لیا تو مسلمانوں نے خوشی سے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے بلند کیے۔

سوتے میں قتل کی گھناؤنی سازش

جب قریش کے کافر سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تنگ پڑ گئے تو اُنھوں نے اس معاملے کے فوری حل کے لیے ایک بہت بڑی پنچائت منعقد کی۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد مدینہ ہجرت کر چکی تھی اور آنحضورؐ، ابوبکرؓ، علیؓ اور اِکا دُکا اور مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے۔

اس تاریخی پنچائت میں حضورؐ کو ٹھکانے لگانے کے لیے یہ تین تجویزیں زیرِ بحث آئیں:

اوّل: آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر کسی مناسب مقام پر عمر بھر کے لیے محبوس کر دیا جائے۔

دوم: آپ کو جلا وطن کر دیا جائے۔

سوم: آپ کا فوری طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔

تیسری تجویز ابوجہل نے پیش کی تھی۔ اسے کثرتِ رائے سے منظور کر لیا گیا۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ اُس رات حضورؐ کے گھر کے باہر سخت پہرہ لگا دیا جائے تاکہ آپ کہیں جانے نہ پائیں اور پھر سوتے میں آپ کو ختم کر دیا جائے۔

اِدھر حضورؐ نے اپنی چارپائی پر حضرت علیؓ کو لٹا دیا اور اُن پر اپنی

چادر ڈال دی۔ اس کے بعد آپؐ رات کی تاریکی میں پچھلے دروازہ سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے اور اُن کو ساتھ لے کر مکّہ سے باہر نکل گئے۔ آپؐ دونوں نے مکّہ سے باہر غارِ ثور میں تین دن قیام کیا اور چوتھے روز اُونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب کافروں کو آپؐ کے فرار کا پتہ چلا تو اُنھوں نے آپؐ کی فوری گرفتاری کے لیے ایک سو اُونٹنیوں کے انعام کا اعلان کر دیا۔ اس بڑے انعام کے لالچ میں کئی گھڑ سوار کچھ عرصہ آپؐ کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ مگر آپؐ بخیریت تمام مدینہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

زہریلی تلوار سے قتل کا ارادہ

مکّہ کے دو کافر عمیر بن وہب اور صفوان بن اُمیّہ جنگِ بدر میں کفّار کی شکست کے بعد بہت افسردہ خاطر رہا کرتے تھے۔ عمیر کا بیٹا مدینہ میں جنگی قیدی بن چکا تھا۔ اور صفوان کا باپ جنگ میں قتل ہو چکا تھا۔ ایک روز حضورؐ کو قتل کرنے کی خفیہ سازش کے لیے دونوں مکّہ سے باہر ایک سنسان جگہ ملے۔ صفوان کہنے لگا: "خُدا کی قسم اب جینے کا مزہ ہی باقی نہیں رہا۔" عمیر بولا: "سچ کہتے ہو۔ اگر میں مقروض نہ ہوتا تو مدینہ جا کر محمدؐ کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا وہاں قید میں ہے۔" اس پر صفوان نے کہا: "تم قرضوں اور بچّوں کی فکر نہ کرو۔ میں ان کا ذمّہ لیتا ہوں۔ تم بس اپنا کام کر ڈالو!"

عمیر فوراً گھر لوٹا، تلوار اُٹھائی، اسے تیز کیا، زہر میں بجھایا اور اُونٹ پر سوار ہو کر سیدھا مدینہ جا پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے عمیر کے بدلے ہوئے تیوروں سے اس کی بدنیتی بھانپ لی۔ اُنھوں نے اُس سے زہر آلود تلوار چھین لی۔ اور گردن دبائے اُسے حضورؐ کی خدمت میں گھسیٹ لائے۔ آپؐ نے فرمایا: "عمیر کو

چھوڑ دو!" پھر عمیر سے کہا "قریب آ جاؤ! کہو کس ارادہ سے آئے ہو؟" عمیر بولا : "بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں" آپؐ نے فرمایا "یہ تلوار کاہے کو لٹکا رکھی تھی؟ کیا تم نے اور صفوان نے مکّہ کے غلاں دیرا نے میں بیٹھ کر میرے خلاف قتل کی سازش نہیں کی تھی؟ اور اب تم اسی ارادے سے یہاں آئے ہو۔ تم نے یہ نہ سمجھا کہ میرا تو خدا محافظ ہے!"

عمیر یہ باتیں سن کر سناٹے میں آ گیا اور بے اختیار پکار اٹھا : "محمدؐ! آپؐ بے شک خدا کے پیغمبر ہیں۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا کسی اور کو اس سازش کی خبر تک نہ تھی!" اتنا کہا اور فوراً اسلام قبول کر لیا۔

جنگِ اُحد میں قتل کی کوششیں

اگرچہ جنگِ اُحد حق و باطل کی قوتوں کے درمیان ایک عظیم معرکہ تھا تاہم یوں دکھائی دیتا ہے جیسے دشمن کا بنیادی مقصد ایک اور صرف ایک ہی تھا : یعنی حضورؐ کا خاتمہ۔

مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے جن کی شکل و صورت حضورؐ کے بہت مشابہہ تھی۔ کفار کے ایک جوان ابن قمیہ نے مصعب کو شہید کر دیا تو ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا کہ "میں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے۔" یہ افواہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ مسلمان کافی بددل ہو گئے۔ اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے بھی غم و یاس کے عالم میں اپنی تلوار زمین پر دے ماری۔ بعد میں یہ افواہ غلط ثابت ہوئی تو مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور وہ پھر ڈٹ گئے۔ پہلا شخص جس نے غلط افواہ کے بعد حضورؐ کو زندہ حالت میں دیکھا۔ کعب بن مالک تھا۔ کعبؓ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا : "میں نے دیکھا کہ حضورؐ خود پہن کر

ڈٹے ہوئے ہیں۔ خود کے نیچے سے آپ کی چمکتی بھولی آنکھیں میں نے فوراً پہچان لیں۔ میں خوشی سے چلّا اُٹھا ۔ مسلمانو! کمر ہمت باندھ لو۔ محمد رسول اللہ یہاں ہیں۔ چنانچہ مسلمان پھر دلیری سے لڑنے لگے۔"

اِس جنگ میں کئی کافر حضورؐ کی تاک میں تھے۔ ایک مقام پر توابنِ قمیہ آپ کے بالکل قریب جا پہنچا۔ اُس نے آپ پر تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ حضورؐ کا چہرہ مبارک بُری طرح زخمی ہوگیا۔ چار دانت بھی شہید ہو گئے۔ آپ کے چہرہ سے خون بہنے لگا۔ حضرت فاطمہؓ نے خون بند کرنے کی بہتیری کوشش کی مگر بے سُود۔ آخر ایک موٹی چادر کا ٹکڑا جلایا گیا۔ اور اسے زخم پر رکھ دیا گیا۔ اِس سے خون بہنا فوراً بند ہوگیا۔

"تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟"

ایک دفعہ حضورؐ اپنے چند ساتھیوں سمیت نجد میں کسی غزوہ کے بعد لوٹ رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ راستہ میں درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب کچھ دیر آرام کرنے کا فیصلہ ہُوا۔ صحابہ درختوں کے ایک جھنڈ تلے لیٹے تو اُن کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ فاصلہ پر آنحضورؐ بھی ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گئے۔ آپ نے اپنی تلوار ایک شاخ سے لٹکا دی اور سو گئے۔

اِتنے میں ایک بدوی غورث الحارث اُدھر آنکلا۔ اُس نے موقع پا کر آپ کی تلوار اُٹھائی اور آپ پر لپک پڑا۔ غورث نے تلوار حضورؐ کے سینہ پر تان لی اور چلّایا: "اب تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟" اس شور و غل سے آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ نے فرمایا: "صرف اللہ!" حضورؐ کے پُر وقار چہرے اور اس قدر بے باک جواب سے حملہ آور غورث پر رعشہ سا طاری ہو گیا۔ اس کے ہاتھ تھر تھر کانپنے لگے

اور تلوار زمین پر گر پڑی۔ حضورؐ نے اسے جھٹ اُٹھا لیا اور فرمایا : "اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا ؟" بدوی چکرا گیا۔ آپؐ نے اسے معاف کر دیا۔ اس مشفقانہ سلوک سے بدوی بے حد متاثر ہوا اور اُسی لمحہ اسلام قبول کر لیا۔

جب سب معاملہ ختم ہو چکا تو حضورؐ نے اپنے سوتے ہوئے ساتھیوں کو جگایا اور اُنھیں اپنے پاس بُلا کر یہ دلچسپ واقعہ سُنایا۔

پتھر تلے کُچلنے کی سازش

۴ ہجری کے قریب کا واقعہ ہے کہ حضورؐ یہودیوں کے بدنام ترین قبیلہ بنو نضیر کے لوگوں کے پاس گئے۔ اُنھوں نے آپؐ کو ایک گڑھے کے قریب بٹھا دیا اور خود اس سازش میں منہمک ہو گئے کہ قریبی مکان کی چھت سے ایک بہت بڑا پتھر آپؐ پر لڑھکا دیا جائے۔ چنانچہ قبیلے کا ایک آدمی عامر بن حجاس اس حرکت کے لیے چھت پر چڑھ بھی چکا تھا کہ حضورؐ موقع کی نزاکت بھانپ گئے۔ آپؐ رفع حاجت کا بہانہ بنا کر دشمن کے چُنگل سے نکل گئے۔

"ضیافت" میں ہلاکت کا منصوبہ

یہودیوں کے مشہور سردار کعب بن اشرف کو مال و زر، عزّت و اقتدار اور شعر و شاعری میں بے حد شہرت حاصل تھی۔ اُسے اسلام سے بھی اتنی ہی نفرت تھی۔ ایک دفعہ اُس نے یہ منصوبہ بنایا کہ حضورؐ کے اعزاز میں ایک فرضی "ضیافت" کا اہتمام کیا جائے اور اِس "ضیافت" کے دوران حضورؐ پر حملہ کر کے ہلاک کر دیا جائے۔ چنانچہ کعب نے اس مذموم حرکت کے لیے چند بدنام غنڈوں کی خدمات بھی حاصل کر لیں۔ مگر یہ سازش بھی ناکام رہی۔

فرضی "مباحثہ" میں قاتلانہ حملہ

یہودی قبیلہ بنو نضیر نے ایک دفعہ ایک فرضی "مباحثہ" کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ انھوں نے آپ کو یہ پیغام بھیجا کہ آپ اپنے تین آدمیوں سمیت ہمارے ہاں آجائیں اور ہمارے عالموں اور راہبوں سے "بحث مباحثہ" کریں۔ اگر ہمارے لوگ آپ کی باتوں سے مطمئن ہو جائیں، تو ہم اسلام قبول کرلیں گے۔"

آنحضورؐ نے یہ دعوت قبول کرلی اور مقررہ مقام کی جانب روانہ ہو گئے۔ مگر ابھی راستہ ہی میں تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ ان مکار یہودیوں نے تو آپ کے قتل کا بچا تلا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اور ہتھیاروں سے پوری طرح مسلح ہو کر گھات میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ راستے ہی سے واپس لوٹ آئے۔

بارہ نقاب پوشوں کا ہنگامہ

ایک دفعہ بارہ نقاب پوش بدمعاشوں کے ایک ٹولہ نے حضورؐ پر قاتلانہ حملہ کی ایک خطرناک سازش تیار کی۔ چنانچہ انھوں نے ایک جگہ اپنا خفیہ اجلاس منعقد کیا جس میں بے حد اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں۔ طے یہ پایا کہ جب حضورؐ رات کی تاریکی میں عقبہ سے گزریں تو وہ نقاب پوش غنڈے آپ پر یکا یک ہلہ بول کر آپ کو ٹھکانے لگا دیں۔

آپ کو اس سازش کا پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ بال بال بچ گئے۔ آپ کے ایک صحابی سے ہاتھا پائی کے دوران نقاب پوشوں کی شناخت بھی کھل گئی۔ اس پر وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے اور ادھر ادھر

چھپ گئے۔ اگلی صبح حضورؐ نے ان سازشیوں کو بُلا بھیجا تو وہ بھانت بھانت کے عذر لنگ پیش کرنے لگے۔ مگر آخر کار سب نے اعتراف جُرم کر لیا۔ جُرم کی سنگینی اور اعتراف کے باوجود حضورؐ نے سارے ٹولے کو معاف کر دیا۔

باتوں باتوں میں قتل کا منصوبہ

عامر بن طفیل اور اَربد بن قیس دو عیّار بدمعاش تھے۔ ایک دفعہ اِن دونوں نے مِل کر آپؐ پر قاتلانہ حملے کا منصوبہ بنایا۔ طے یہ پایا کہ دونوں مدینہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ پھر عامر آپؐ کو باتوں میں لگالے اور اَربد تلوار کے ایک ہی وار سے آپؐ کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ عامر آپؐ سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اَربد وہیں کا وہیں کھڑا رہا۔ کافی انتظار کے بعد بھی جب اَربد نے اپنے حصّے کے کام کا کوئی اِرادہ ظاہر نہ کیا تو عامر سخت مایوس ہُوا۔ وُہ حضورؐ کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتا ہُوا اَربد کے ہمراہ وہاں سے رُخصت ہُوا۔

راستے میں عامر نے اَربد سے کہا: "بخدا تم تو بے حد بُزدل ہو۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ تُم نے آپؐ پر وار کیوں نہیں کیا۔ بس آج سے میرا تُم سے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔" اِس پر اَربد بولا: "ارے بھئی، میری بات بھی تو سنو! میں جب بھی حملہ کی نیّت سے آگے بڑھتا مجھے صرف تم ہی تم نظر آتے تھے۔ آپؐ تو بالکل دکھائی ہی نہ دیتے تھے۔ اب بولو، کیا میں تمھیں ہی مار ڈالتا؟"

دونوں باتیں کرتے کرتے اپنے گاؤں کی طرف چلتے گئے۔ راستے میں عامر پر طاعون کا حملہ ہُوا۔ اُس کی گردن پر ایک بڑا سا پھوڑا بھی نکل آیا اور اُس نے بنی سلول کی ایک عورت کے گھر دم توڑ دیا۔ عامر کی تدفین سے فارغ ہو کر جب اَربد گاؤں پہنچا تو لوگوں نے اُسے حضورؐ کے قتل کی سازش کے بارے

میں پوچھا۔ وہ بولا : "بخدا محمدؐ نے ہمیں ایک ایسی ہستی کی عبادت کو کہا تھا جو اگر میرے ہاتھ لگ جائے تو میں اُسے اپنے تیروں سے چھلنی کردوں" ایک آندھ دن بھمار بد اپنا اُونٹ فروخت کرنے کی خاطر گھر سے نکلا۔ راستے میں اُس پر آسمانی بجلی گری اور وہ اُونٹ سمیت بھسم ہوگیا۔

بھنے ہُوئے زہریلے بکرے کا ڈرامہ

ایک مکار یہودی عورت زینب الحارث نے فتح خیبر کے وقت حضورؐ کو زہر سے ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اُس نے آپؐ کے لیے ایک بُھنا ہُوا بکرا تیار کیا۔ وہ جانتی تھی کہ آپؐ کو بکرے کی دستی بہت مرغوب ہے۔ چنانچہ اُس نے بکرے کی دستی میں ایک بے حد مہلک قسم کا زہر زیادہ کثرت سے ملا دیا۔ پھر وہ زہر شدہ بکرے کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہُوئی اور اسے بڑے "ادب" کے ساتھ آپؐ کو بطورِ "تحفہ" پیش کیا۔

حضورؐ نے ابھی گوشت کا ایک نوالہ ہی چکھا تھا کہ آپؐ کو اصل بات سمجھ آگئی۔ آپؐ نے وہ نوالہ فوراً تھوک دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھانے کی ممانعت کردی۔ آپؐ کے ایک ساتھی بشر بن براءؓ بھی زہریلے گوشت کا ایک نوالہ مُنہ میں ڈال چکے تھے اور اُنھیں بھی زہر کی تلخی کا احساس ہوچکا تھا مگر اُنھیں اپنے پیارے نبیؐ کے سامنے زہریلا نوالہ اُگلنے کی جرأت نہ ہُوئی۔ زہریلا نوالہ اُن کے حلق سے نیچے اُتر گیا اور کچھ عرصہ بعد اُن کی موت کا باعث بنا۔ بعد میں جب اس واقعہ کی تحقیقات شروع ہُوئی تو مکار عورت کے علاوہ کئی اور یہودی بھی اس خطرناک سازش میں ملوّث پائے گئے۔ اُن سب نے اعترافِ جرم کرلیا۔ مگر حضورؐ نے سب کو معاف کردیا۔

اس افسوس ناک سانحہ کے کافی عرصہ بعد جب حضورؐ مرض الموت میں مُبتلا ہُوئے تو مرحوم بشر کی والدہ بھی آپؐ کی عیادت کو آئیں۔ باتوں باتوں میں آپؐ نے فرمایا: "میں ابھی اُس زہر کے اثر سے نہیں نکل پایا جو میں نے تمہارے بیٹے کے ساتھ خیبر میں چکھا تھا۔"

طواف کے دوران قاتلانہ حملہ

فتح مکّہ کے بعد حضورؐ نے کچھ عرصہ مکّہ مکرّمہ میں قیام فرمایا۔ انہی دنوں کی بات ہے کہ ایک روز آپؐ خانہ کعبہ کے طواف میں معروف تھے کہ فضالہ بن عمیر چھپتا چھپاتا وہاں آنکلا اور ارادہِ قتل سے چپکے سے حضورؐ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ وہ ابھی حملہ کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ حضورؐ خود ہی اس کے قریب جا پہنچے اور اُسے اُس کے دِل کی بات بتادی۔

فضالہ اِس اچانک گرفت پر بے حد شرمسار ہُوا۔ اس پر آپؐ نے اُسے توبہ کا مشورہ دیا اور اس کے سینے پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔ اِرادہ قتل کے ایک مرتبہ مُجرم کو اپنے پکڑے جانے کے بعد اس قسم کے حسنِ سلوک کی قطعی توقّع نہ تھی۔ فضالہ کی ذہنی کائنات بالکل بدل گئی اور وہ فوراً تائب ہو کر مُسلمان ہوگیا۔

"میں آج محمّدؐ کو ختم کر دوں گا"

فتح مکّہ ہی کے دنوں کی بات ہے کہ ایک روز شیبہ بن عثمان نے اعلان کیا کہ "آج میں محمّدؐ سے اپنے باپ کا بدلہ لے لوں گا۔" بات یہ تھی کہ شیبہ کا باپ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا تھا اور وہ اُس روز

سے آتشِ انتقام میں بُری طرح جل رہا تھا۔ فتح مکہ کے ایام میں جب اُس نے حضورؐ اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھا تو اُس کے جذبۂ انتقام کے شعلے اور بھڑک اُٹھے۔ وہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اُس نے بڑی شدومد سے کہا: "آج میں محمدؐ کو ختم کر دوں گا۔" یہ کہہ کر اُس نے انتہائی مشتعل انداز میں حضورؐ کے اِرد گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

وہ ابھی چکر کاٹ ہی رہا تھا کہ اُسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی اَن دیکھی طاقت اُس کے اور حضورؐ کے درمیان حائل ہو گئی ہے اور اُسے اپنے بدارادہ سے باز رکھنے کے لیے سخت دباؤ ڈال رہی ہے۔ اُس کا دل اچانک بیٹھ گیا اور اِنتقام اور قتل کے لیے اشتعال کے شعلے بالکل سرد پڑ گئے۔ اُسے مکمل یقین ہو گیا کہ کسی غیبی قوت نے حضورؐ کو اُس کی زد سے قطعی محفوظ کر دیا ہے اور وہ اپنے جرم کا اِرتکاب نہ کر سکے گا۔

10

جادُو اور سحرکاری کے چکّر

- جادُو کی رسّی اور موم کا پُتلا
- حضورؐ کے جسم پر جادُو کا اثر
- جادُو کے توڑ کا قرآنی عمل
- چند غلط فہمیوں کا ازالہ

جزیرہ نمائے عرب کے کافر اور یہودی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بہُت بُری طرح ستاتے تھے۔ آپؐ کو حراساں اور بددِل کرنے کے لیے طرح طرح کے نفسیاتی حربے استعمال ہُوئے۔ آپؐ پر قاتلانہ حملوں کی بھرمار کر دی گئی۔ حتّٰی کہ آپؐ کو ختم کرنے کے لیے کالے جادُو اور خطرناک سحرکاری سے بھی کام لینے کی سرتوڑ کوشش کی گئی۔

جادُو کی رسّی اور موم کا پُتلا

اُس زمانے میں لبید بن عاصم اور اُس کا خاندان کالے جادُو اور سحرکاری میں بہُت شہرت حاصل کر چکا تھا۔ یہودی اور منافق ہونے کے ناطے سے مدینہ کے یہودیوں سے اُس کے بہُت قریبی مراسم تھے۔ کوئی ۷ھ کے لگ بھگ خیبر کے بعض یہودی مدینہ آئے۔ انھوں نے لبید کو یہودیوں پر

ظلم کے مسلمانوں کے مظالم کے بارے میں حضرت اسلم نے سنائے۔ انھوں نے اُسے بتایا کہ خیبر کے یہودی ساحروں نے حضورؐ پر بے شمار جادو کیے مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہُوا۔ انھوں نے لبید کو یقین دلایا کہ اُس ایسا کایاں جادوگر ہی اُن کی پریشانیوں کا علاج کرسکتا ہے۔ لبید کی مُٹھی اشرفیوں سے گرم کرتے ہوئے انھوں نے فرمائش کی کہ حضورؐ کو ختم کرنے کے لیے کسی بہت ہی خطرناک قسم کے جادو سے کام لیا جائے۔ جادوگر لبید اس گندے کام کے لیے فوراً آمادہ ہوگیا۔

اُن ہی دنوں ایک سادہ مزاج یہودی لڑکا حضورؐ کی سیرت سے متأثر ہوکر آپؐ کی ذاتی خدمت کے لیے آیا کرتا تھا۔ لبید کے عیار ٹولے نے اس یہودی لڑکے سے جلد ہی رابطہ قائم کرلیا۔ انھوں نے اس کی وساطت سے حضورؐ کی کنگھی اور سر کے کچھ بال بھی حاصل کرلیے۔ اِن دونوں چیزوں پر جادو کا عمل کردیا گیا، جس میں لبید کی مشہور جادوگر بہنوں نے بھی حصّہ لیا۔ جادو شدہ کنگھی اور بال کھجور کے ایک نر گوشہ میں لپیٹ دیے گئے اور سب چیزوں کو جادو کے ایک خاص عمل سے ذروان میں واقع ایک ویران کنویں کی تہ میں ایک بڑے پتھر کے نیچے چھپا کر رکھ دیا گیا۔

اِس جادو شدہ سامان کے علاوہ یہ دو اشیاء بھی کنویں میں رکھ دی گئیں: (۱) جادو شدہ رسّی کا ایک ٹکڑا جس پر گیارہ گرہیں باندھی گئی تھیں۔ اور (۲) حضورؐ کا ایک مومی پُتلا جس میں باریک سُوئیاں جا بجا چبھودی گئی تھیں۔

حضورؐ کے جسم پر جادو کا اثر

لبید کا جادو حضورؐ کی رُوح اور سیرت کے کسی پہلو کو کسی طور متأثر کرنے میں قطعی ناکام رہا۔ آپؐ حسبِ معمول نمازوں کی امامت فرماتے

رہے۔ قرآن وسنت کی تبلیغ وہدایت باقاعدہ جاری رہی۔ مگر کچھ عرصہ بعد آپؐ کے جسم مبارک پر جادو کے ناروا اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے۔ آپؐ ایک عجیب سی درد محسوس کرنے لگے جو رفتہ رفتہ شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ آپؐ کا حافظہ کمزور پڑنے لگا، وزن کم ہوتا گیا، بینائی بھی کافی متاثر معلوم ہوتی تھی۔ یہ تکلیف دہ کیفیت تقریباً ایک سال جاری رہی۔

ان دنوں جسمانی درد میں شدت ہوتی تو آپؐ بڑے خشوع وخضوع سے صحت یابی کی دعائیں مانگتے۔ ایک رات آپؐ غنودگی کی حالت میں لیٹے ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کی وساطت سے آپؐ کو دشمنوں کی خطرناک چال سے آگاہ کر دیا۔ ساتھ ہی آپؐ کو لبید کے جادو کا توڑ بھی بتا دیا گیا۔ چنانچہ حضورؐ نے پانچ آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت کو زروان کنویں کی جانب روانہ کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپؐ خود بھی موقعہ پر پہنچ گئے۔

جادو کے توڑ کا قرآنی عمل

کنویں کا پانی مہندی کے پتوں کی طرح گہرا سرخ ہو چکا تھا۔ سارا پانی باہر نکال دیا گیا۔ پتھر کے نیچے سے حضورؐ کی کنگھی اور سر کے بال برآمد کر لیے گئے۔ گیارہ گرہوں والی رسی اور حضورؐ کا موم والا پتلا بھی کنویں سے باہر نکال لیا گیا۔

یہ کام ہو چکا تو حضورؐ نے سورہ فلق اور سورہ ناس کی تلاوت شروع فرمائی۔ ان ہر دو سورتوں کا ترجمہ یہ ہے :

سورہ فلق (صبح)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ کہو، میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

2۔ ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی۔

3۔ اور رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے۔

4۔ اور گرہوں میں پھونکنے والیوں کے شر سے۔

5۔ اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

سُورہ ناس (انسان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

1۔ کہو، میں انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

2۔ انسانوں کے فرماں روا کی۔

3۔ انسانوں کے حقیقی معبود کی۔

4۔ اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے۔

5۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

6۔ (وہ خواہ) جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔

ان ہر دو سُورتوں کی تمام آیات کی مجموعی تعداد گیارہ بنتی ہے۔ دونوں سُورتوں کو ملا کر مُعَوِّذَتَین کہتے ہیں۔ جُوں جُوں حضورؐ معوذتین کی آیات ایک ایک کر کے تلاوت فرماتے جاتے توں توں رسّی کی گرہیں خود بخود کھلتی جاتیں اور موم پُتلے کی سوئیاں باہر نکلتی رہتیں۔ معوذتین کی گیارہ سُورتوں کی تلاوت کے اختتام پہ جادو کی رسّی کی گیارہ گرہیں کھُل چکی تھیں اور موم کے پُتلے کی ساری سوئیاں باہر نِکل چکی تھیں۔

اس عمل کے مکمل ہوتے ہی حضورؐ کی طبیعت فوراً ہشاش بشاش ہوگئی

اور اُنھیں ایسے محسوس ہُوا جیسے کسی طویل اذیت سے یک دم نجات مل ہو۔

جب حضورؐ کے صحابہؓ کو لبید کی اس خطرناک شرارت کا پتہ چلا تو وہ اُسے ختم کرنے کو اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ مگر آپؐ نے اُنھیں روک دیا۔ آپؐ نے لبید کو بُلا بھیجا۔ اُس نے اپنی مذموم حرکت کا اعتراف کر لیا۔ مگر آپؐ نے اسے مُعاف کر دیا اور اُسے نصیحت کرتے ہُوئے فرمایا کہ "انسانوں کے خلاف اِس طرح سے جادُو ٹونے کا اِستعمال کرنا بہت بُری حرکت ہے۔"

زروان کنوئیں سے برآمد ہونے والا جادُو کا سامان

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

تاریخِ اسلام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے جادو کے اس واقعے کی حقیقت تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا ہے۔ مگر ایک زیادہ معقول مکتبِ فکر کا کہنا ہے کہ یہ افسوس ناک سانحہ ایک حقیقت تھی جو فی الواقع ظہور پذیر ہوئی۔ گو لبید کا جادو حضورؐ کی روحانی زندگی اور نبوت کے فرائض پر بالکل اثر انداز نہ ہو سکا، تاہم حضورؐ کا جسم اس سے عارضی طور پر ضرور متاثر ہوا۔ مگر پھر اس جادو کا علاج بھی تو قرآنِ حکیم ہی کے ذریعے ہوا۔

معوذتین کے علاوہ قرآنِ حکیم میں جادو وغیرہ کا کئی اور جگہوں میں بھی ذکر ہوا ہے۔ اور انسانی جسم پر اس سے جو اثرات مرتب ہو سکتے ہیں ان کی طرف صاف اشارے بھی موجود ہیں۔ مگر ایک بات قطعی واضح ہے۔ جادو کے بل بوتے پر اللہ کے نیک بندوں کو اپنے مشن سے ورغلانا ناممکن ہے۔ جادو ٹونہ کی اسلام میں اجازت نہیں اور یہ کہ اس کے بُرے اثر سے بچاؤ بھی قرآنِ حکیم کی تلاوت ہی سے ممکن ہے۔

یہاں ایک اور بات ذہن نشین رکھنا بھی ضروری ہے۔ حضورؐ کے جسمِ مبارک پر جادو کا وقتی اثر ایک ایسا سانحہ ہے جو ہر معقول انسان کے لیے باعثِ اذیت ہے۔ مسلمان سیرت نگار اگر تاریخی حقائق کو چھپانے یا توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے عادی ہوتے تو وہ اس تلخ واقعہ کو یا تو بالکل نظر انداز ہی کر دیتے یا اسے مسخ کر کے اپنے ڈھب سے پیش کر دیتے۔ مگر چونکہ یہ بات اسلامی روایات کے خلاف تھی، اس لیے انھوں نے اس واقعے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانحِ حیات میں من و عن بیان کر دیا۔ اس سے اس حقیقت کی مزید توثیق ہوتی ہے کہ سیرت نگاری میں حضورؐ کی مبارک زندگی کے تمام حالات اور واقعات پوری صحت اور صداقت سے بیان ہوئے ہیں۔ سوانحِ حیات کے بیان کا یہ قابلِ قدر پہلو باقی سب مذاہب میں افسوسناک حد تک غائب ہے۔

11

مدینہ کی جانب ہجرت کی داستان

- ٹاؤن ہال میں تاریخی سازش
- عمر قید، جلاوطنی اور فوری قتل
- قتل کے لیے ابلیس کی تائید
- دُشمن کے نرغے سے فرار
- سفرِ ہجرت کی تیاریاں
- غارِ ثور میں تین دن
- ابوجہل کے ٹولہ کا غیض و غضب
- اِنعام کے لالچیوں کا تعاقب
- سراقہ کی بدقسمتی
- تحفظ کی دستاویز
- راستے کے دلچسپ واقعات
- مدینہ میں والہانہ اِستقبال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ساتھی مدینہ منتقل ہو چکے تھے۔ آپ اپنی ہجرت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے انتظار میں ستمبر ۶۲۱ء تک مکہ میں قیام پذیر رہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے دوست حضرت ابوبکرؓ اور

اور چچیرے بھائی حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔

ٹاؤن ہال میں تاریخی سازش

اکابرِ قریش کی شدید مخالفت کے باوجود آپؐ کی مقبولیت بڑھتی ہی چلی گئی تو اُن کے غم و غصّہ کی انتہا نہ رہی۔ تنگ آکر اُنھوں نے قصی بن کلاب کے گھر اعلیٰ سطح کا ایک ہنگامی اجلاس بُلایا۔ قصی کا گھر ٹاؤن ہال کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ یہاں اہم اُمور پر فیصلے ہوتے تھے۔ اُس تاریخی اجلاس میں قریش کے تمام سرکردہ لوگوں کو مدعو کیا گیا۔ ابلیس بھی ایک عقلمند بُڈھے کا بھیس بدل کر اجلاس میں شرکت کے لیے چلا آیا۔ جب منتظمین نے اُس سے پُوچھا کہ تم کون ہو؟ تو وہ بولا "میں سامنے کے پہاڑوں پر رہتا ہوں۔ سُنا تھا یہاں کوئی ضروری اجلاس ہو رہا ہے۔ سوچا میں بھی شامل ہو جاؤں۔ شاید کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔" اس پر اُسے شرکت کی اجازت دے دی گئی۔

اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔ بڑی گرما گرم تقریریں ہوئیں۔ مقررین نے کہا محمدؐ قریش کے لیے ایک بے حد تشویشناک خطرے کا رُوپ دھار چکے ہیں۔ شرکاءِ اجلاس کو بتایا گیا کہ محمدؐ کو ٹھکانے لگانے کے لیے ٹھوس تجاویز پر غور ہو گا۔

عمر قید، جلاوطنی اور فوری قتل

اجلاس میں تین اہم تجاویز زیرِ بحث آئیں:

اوّل: آپؐ کو زنجیروں میں جکڑ کر زندگی بھر کے لیے محبوس کر دیا جائے۔

دوم: جلاوطن کر دیا جائے۔

سوم: فوراً قتل کر دیا جائے۔

زنجیروں میں جکڑ کر قید کا منصوبہ پیش کرنے والوں نے کہا کہ اس سے آپ اور آپ کا سارا مشن ختم ہو جائے گا۔ مگر ابلیس نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ جب مسلمانوں کو اس کا علم ہو جائے گا تو وہ کسی نہ کسی طرح آپ کو رہا کروالیں گے۔ اور یوں قریش کا وقار پھر خطرے میں پڑ جائے۔ چنانچہ یہ تجویز مسترد کردی گئی۔

جلاوطنی کے منصوبہ والوں نے کہا کہ حضورؐ جب ایک بار لوگوں سے دور اور آنکھوں سے اوجھل ہوں گے تو مسلمان انھیں فراموش کردیں گے اور قریش بھی سُکھ چین کا سانس لے سکیں گے۔ ابلیس نے اس تجویز کی بھی مخالفت کی۔ اُس نے کہا کہ حضورؐ کی ساحرانہ شخصیت، مؤثر اندازِ خطاب اور رُوحِ اسلام کی داخلی قوت کی وجہ سے وہ جہاں بھی جائیں گے اُن کے اردگرد مدّاحوں کے ہجوم اکٹھا ہونا شروع ہو جائیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ اپنی جلاوطنی کے دوران وہ اتنے پیروکار اکٹھے کرلیں کہ ایک دن حملہ آور ہو کر قریش کے اقتدار کو ہی تہس نہس کردیں۔ جلاوطنی کا منصوبہ بھی مسترد ہوا۔

قتل کے لیے ابلیس کی تائید

جب عمر قید اور جلاوطنی کے منصوبے مسترد ہو چکے تو ابوجہل نے کہا کہ اُس نے حضورؐ کو ٹھکانے لگانے کا ایک قابلِ عمل منصوبہ بنایا ہے۔ اپنے خطرناک منصوبے کی تفاصیل بتاتے ہُوئے اُس نے کہا کہ ہر قبیلہ ایک ایک جنگجو نوجوان چُن لے۔ ان منتخب نوجوانوں کو تیروں اور تلواروں سے مسلح کردیا جائے۔ پھر یہ مسلح دستہ یک لخت حضورؐ پر ٹوٹ پڑے اور اُن کا فوری خاتمہ کرڈالے۔ اِس طرح قتل کی ذمّہ داری کسی ایک فرد یا قبیلے پر عائد نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اس میں سارے قبائل مجموعی طور پر ملوث ہوں گے۔ حضورؐ کے خاتمہ کے بعد مسلمان قریش سے

ابوجہل کے مسلح غنڈے آنحضورؐ کے مکان کا گھیراؤ کیے ہوئے ہیں

تمام قبائل سے نمٹ نہ سکیں گے اور بالآخر خون بہا ادا کرنے سے معاملہ رفع دفع ہو جائے گا۔

ابوجہل کی تقریر سے ابلیس کے چہرے پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ وہ بے اختیار بول اٹھا: "یہ شخص ٹھیک کہتا ہے۔ میرے خیال میں یہی صحیح طریق کار ہے" چنانچہ فوری قتل کا ناپاک منصوبہ کثرت رائے سے منظور کر لیا گیا۔ جس کے بعد وہ تاریخی اجلاس ملتوی ہوا اور تمام مندوبین نہایت سکون، اطمینان اور مسرت سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹنے لگے۔

دشمن کے نرغے سے فرار

اجلاس کے بعد قریش کے عیار اکابر قتل کے منصوبہ کی فوری تعمیل میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ حضورؐ کو ٹھکانے لگانے کا طریق کار وضع کر لیا گیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اس رات قتل میں حصہ لینے والے نوجوانوں کا مسلح دستہ حضورؐ کے مکان کے اردگرد پہرے پر بٹھا دیا جائے تاکہ حضورؐ بھاگنے نہ پائیں اور جب آپؐ سو جائیں تو آپؐ کا کام تمام کر دیا جائے۔

ادھر جبرئیلؑ حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور آپؐ سے کہا کہ "آپؐ آج رات اپنے بستر پر نہ سوئیں۔" حضورؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لیٹ جانے کو کہا اور اُن پر اپنی وہ سبز چادر ڈال دی جو آپؐ عموماً اوڑھ کر سویا کرتے تھے۔ پہرے دار یہ سمجھتے رہے کہ آپؐ اپنی چادر اوڑھے محوِ خواب ہیں۔ اسی اثنا میں آپؐ چپکے سے مکان سے باہر نکل گئے۔

صبح جب حضرت علیؓ نے جسم سے چادر سرکائی تو حضورؐ کی بجائے آپؓ کو دیکھ کر پہرہ دار ہکّے بکّے رہ گئے۔ چونکہ حضرت علیؓ کم عمر تھے اس لیے اُنھیں

ڈانٹ ڈپٹ کر چھوڑ دیا گیا اور حضورؐ کی تلاش شروع ہوئی۔

سفرِ ہجرت کی تیاریاں

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم چپکے چپکے حضرت ابوبکرؓ کے گھر جا پہنچے۔ اسی دوران آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم بھی موصول ہو چکا تھا۔ جب آپ نے ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ جانے کی اجازت دے دی تو خوشی کے آنسوؤں سے ان کی آنکھیں تر ہو گئیں۔ چنانچہ دونوں نے مل کر مکّہ سے مدینہ تک ہجرت کے سارے سفر کا منصوبہ طے کر لیا۔ فیصلہ یہ ہُوا کہ آپ پہلے مکّہ سے باہر واقع غارِ ثور میں کچھ عرصہ قیام کریں اور پھر وہاں سے اونٹوں پر سوار ہو کر ساحلی راستوں سے ہوتے ہوئے مدینہ کی جانب چل نکلیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے دو اونٹ پہلے ہی سے خرید کر کسی محفوظ جگہ رکھے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ لوگوں کی جمع شدہ امانتیں واپس کرنے کے بعد ہی مکّہ سے روانہ ہوں۔ دونوں دوست چپکے چپکے مکّہ سے باہر نکلے اور کوہِ ثور جا پہنچے۔ مکّہ چھوڑنے سے پہلے حضرت ابوبکرؓ یہ انتظامات مکمّل کر چکے تھے:

(۱) اُنھوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کے ذمّے یہ کام سونپ دیا تھا کہ وہ مکّہ کے گلی بازار میں لوگوں کی باتیں سُنے اور اُنھیں غارِ ثور میں آپ تک پہنچاتا رہے۔

(۲) اپنے آزاد شدہ غلام عامر بن فہیرا کو ہدایت تھی کہ وُہ ابوبکرؓ کے گلّہ کو حسبِ معمول مکّہ کے چرواہوں کے ساتھ چَراتا رہے اور غارِ ثور میں قیام کے دوران دُودھ اور گوشت مہیا کرتا رہے۔

(۳) اپنی بیٹی اسما کو حکم تھا کہ وہ رات کی تاریکی میں غار میں کھانا لاتی رہے۔
ان انتظامات سے مقصود یہ تھا کہ آپ کو غارِ ثور میں کفار کی سرگرمیوں کی باقاعدہ اطلاع ملتی رہے اور کھانے پینے کی تکلیف بھی نہ ہو۔

غارِ ثور میں تین دن

۱۳ ستمبر ۶۲۱ء کو جب دونوں دوست کوہِ ثور پہنچے تھے تو حضورؐ کے پاؤں میں جوتا نہ تھا۔ غارِ ثور کے اردگرد بکھرے ہوئے پتھروں سے آپؐ کے تلوے چھلنی ہونے لگے تو ابوبکرؓ نے آپؐ کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور غار کے دہانے پہنچ کر نیچے اتار دیا۔ پھر ابوبکرؓ اس بات کی تسلی کے لیے پہلے خود غار کے اندر داخل ہوئے کہ اس میں کوئی سانپ یا جنگلی جانور نہ ہو۔ دونوں نے غار میں تین روز قیام کیا۔
اسی دوران دشمن کو پتہ لگ چکا تھا کہ حضورؐ ان کے نرغے سے نکل چکے ہیں۔ چنانچہ بڑے زور شور سے آپؐ کی تلاش شروع ہوئی۔ کچھ لوگ آپؐ کے تعاقب میں غار کے دہانے تک بھی پہنچ گئے۔ اس پر ابوبکرؓ بہت مضطرب ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: "گھبراؤ مت۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ حقیقت یہ تھی کہ قدرت بھی ان کی حفاظت کر رہی تھی۔ ایک کڑے نے غار کے منہ پر جال بُن دیا تھا۔ قریب ہی ایک جنگلی فاختہ نے گھونسلہ بنا کر انڈے بھی دیے ہوئے تھے۔ چناں چہ جب تعاقب میں اُدھر آنے والے جال اور گھونسلہ دیکھتے تو انھیں یقین ہو جاتا کہ اس قدر ویران جگہ میں کسی انسان کا چھپنا ممکن نہیں۔ اس لیے وہ آپ کی تلاش میں دوسری سمتوں کی جانب نکل جاتے۔

ابوجہل کے ٹولہ کا غیض و غضب

جب قریش کے سردار آپؐ کا سراغ لگانے میں ناکام ہونے تو

غارِ ثور کے منہ پر مکڑی کا جالا اور فاختہ کا گھونسلا دیکھ کر کافر دھوکا کھا گئے۔

اُن کے غیض و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اُنھوں نے آپؐ کی گرفتاری کے لیے ایک سو اُونٹنیوں کے انعام کا فوراً اعلان کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ انعام کے لالچ میں کئی ٹولیاں تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر ہر سمت پھیل گئیں۔

اُدھر ابوجہل چند غنڈوں کو لے کر سیدھا ابوبکرؓ کے گھر جا پہنچا اور اسماءؓ سے اپنے والد کے بارے میں پُوچھا۔ جب اسماءؓ نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ابوجہل سخت برہم ہُوا۔ اُس گنوار نے اسماءؓ کے منہ پر بڑے زور سے تھپڑ دے مارا۔ بے چاری بچی لڑکھڑا کر گر پڑی اور اس کی بالیاں اُڑ کر دور جا گریں۔ یہ دیکھ کر غنڈے بھاگ کھڑے ہُوئے۔

قریش کے متعدد افراد اور ٹولے بڑی سرگرمی سے مسلسل تین دن آپؐ کی تلاش کرتے رہے۔ چوتھے روز دشمن کا جوش و خروش قدرے ماند پڑتا دکھائی دیتا تھا۔ چنانچہ موقع غنیمت جان کر ابوبکرؓ اپنے دو اُونٹ غار میں لے آئے جو اُنھوں نے کیس اس رکھوا ئے ہُوئے تھے۔ ایک اُونٹ پر آپؐ سوار ہُوئے۔ دُوسرے پر ابوبکرؓ اور اُن کے پیچھے عامرؓ بن فہیرہ بیٹھ گئے۔ دشمن کی گرفت سے بچنے کے لیے سیدھے راستے کی بجائے پیچ و خم کھاتے ہُوئے لمبے ساحلی راستوں کا انتخاب کیا گیا تھا۔ اس لیے ایک تجربہ یافتہ رہنما ارکات کی خدمات بھی حاصل کر لی گئی تھیں۔ تمام ضروری انتظامات مکمل ہو چکے تو یہ چھوٹا سا قافلہ دو اُونٹوں پر سوار ہو کر ۱۶ ستمبر ۶۲۲ء کو چپکے سے غارِ ثور سے نکلا اور مدینہ کی جانب رواں دواں ہُوا۔

سفرِ ہجرت کا آغاز ہوتے ہی مکّہ کے گلی کوچوں میں ایک جن کی آواز سُنائی دینے لگی۔ وہ بڑے بلیغ انداز میں چند شعر گا رہا تھا۔ جن خود تو نظر نہ آتا تھا مگر اُس کی آواز صاف سُنائی دیتی تھی۔ اُس کے شعروں میں اشارہ اور کنایہ سے اِس بات کی وضاحت ہوتی تھی کہ ہجرت کے مُسافر اپنی منزل کی جانب بخیر و خُوبی

جا رہے ہیں۔ جن کے اشارے سن کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر والوں کو ساری بات سمجھ آ گئی اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

انعام کے لالچیوں کا تعاقب

انعام کے لالچ میں جو افراد اور گروہ آپؐ کے تعاقب میں سات دن سرگرداں رہے ان کے قصے بے حد دلچسپ ہیں۔ ایک دن سراقہ بن مالک اپنے عزیزوں کے ہمراہ اپنے گھر کے باہر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور انتہائی حیرت کے عالم میں کہنے لگا، "بخدا میں نے تین اونٹ سواروں کو دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ اور اُس کے ساتھی ہی تھے۔" سراقہ کے منہ میں انعام کے لالچ سے پانی بھر آیا۔ مگر اس نے اُسے آنکھ سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دوسروں کو بہکانے کے لیے کہنے لگا: "وہ تو فلاں فلاں تھے جو اپنے کھوئے اونٹ کی

حضورؐ کے تعاقب میں نکلنے والے لالچی گھڑ سوار

تلاش میں تھے۔"

چالاک سراقہ اندر ہی اندر تعاقب کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔ مگر وہاں موجود لوگوں کے شک و شبہ سے بچنے کے لیے وہ کچھ دیر وہیں بیٹھا رہا۔ پھر چپکے سے گھر کے اندر داخل ہوا۔ اپنا گھوڑا تیار کیا۔ پچھلے کمرے سے ہتھیار نکال کر مسلح ہوا اور فال نکالنے والے تیر بھی ساتھ رکھ لیے۔ روانگی سے پہلے اُس نے تیروں کی فال نکالی تو جو تیر نکلا اُس پر لکھا تھا: "اُسے گزند مت پہنچاؤ۔" سراقہ کو یہ فال ناگوار گزری۔ فال دہرائی گئی تو دُوسری بار بھی وہی تیر نکلا۔ سراقہ بہت مایوس ہوا۔ عربوں کے مروجہ دستور کے مطابق اُسے تعاقب کا ارادہ فوراً ترک کر دینا چاہیے تھا۔ مگر سو اُونٹوں کے لالچ نے اُسے اندھا کر دیا تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا سے باتیں کرنے لگا۔

سراقہ کی بدقسمتی

سراقہ کا تیز رفتار گھوڑا سرپٹ دوڑتے جا رہا تھا۔ راستے میں گھوڑے کے پاؤں اچانک لڑکھڑائے اور وہ زمین پر آ رہا۔ اِسے غیر معمولی بدشگونی تصور کرتے ہوئے اُس نے پھر تیروں کی فال نکالی۔ اس مرتبہ پھر وُہی تیر نکلا: "اسے گزند مت پہنچاؤ۔" سراقہ انعام کے لالچ میں دیوانہ ہو چکا تھا۔ اُس نے گھوڑا پھر سرپٹ دوڑایا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی گیا تھا کہ گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی اور زمین پر آ گرا۔ سراقہ نے فوراً تیروں کی فال نکالی۔ نتیجہ پھر وُہی نکلا۔ مگر سراقہ نے ہمت نہ ہاری اور پُورے شد و مد سے تعاقب جاری رکھا۔

تھوڑے وقفہ کے بعد آخر اُسے دُور سے حضورؐ کا چھوٹا سا اُونٹ قافلہ نظر آ ہی گیا۔ اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ اُسے یُوں محسوس ہُوا جیسے کھیل ختم ہو گیا ہو۔

سراقہ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا بالکل قریب جا پہنچا۔ مگر دفعتاً گھوڑے نے پھر ٹھوکر کھائی۔ اس دفعہ گھوڑا خود بھی زمین پر گر پڑا۔ اور اس کی اگلی ٹانگیں مٹی کی موٹی تہہ میں بُری طرح دھنس گئیں۔ زخمی گھوڑے نے مٹی میں اُلجھی ہوئی ٹانگیں باہر نکالنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارے تو گرد کی ایک موٹی سی دیوار اُوپر اُٹھ کھڑی ہوئی جس سے حضورؐ کا اُونٹ قافلہ سراقہ کی نظروں سے بالکل کٹ گیا۔

تحفظ کی دستاویز

سراقہ سخت خوف زدہ ہو چکا تھا۔ اُس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو اُس نے ان سب واقعات پر جلدی جلدی غور کرنا شروع کیا۔ اب تو اُسے یقین ہو چکا تھا کہ کوئی غیبی طاقت اُونٹ سواروں کی حفاظت کر رہی ہے۔ اسی اثنا میں گرد کا اُٹھتا ہوا غبار بیٹھ چکا تھا۔ اور دونوں اُونٹ پھر سے سامنے نظر آ رہے تھے۔ مگر اب سُراقہ کے سر سے اِنعام کا بھوت اُتر چکا تھا۔ اُس نے تعاقب کا ارادہ بالآخر ترک کر دیا اور بلند آواز سے بولا: "میں فلاں فلاں ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

حضورؐ نے ابوبکرؓ سے کہا: "اسے پوچھو آخر چاہتا کیا ہے؟" اس پر سراقہ بولا: "مجھے تحفظ کی ایک دستاویز چاہیے جو آپ اور میرے درمیان طے ہو۔" حضورؐ نے ابوبکرؓ سے کہا کہ "اسے یہ تحریر دے دو۔" چنانچہ ابوبکرؓ کے غلام عامر نے جانور کی ایک ہڈی (اور بعضوں کے بقول ٹھیکری یا کاغذ) پر یہ تحریر لکھ دی۔ اور اُسے سراقہ کی جانب پھینک دیا۔ سراقہ نے اسے اپنے ترکش میں رکھ لیا اور تعاقب ترک کر کے گھوڑے کا رُخ واپس مکّہ کی طرف پھیر دیا۔

راستے کے دلچسپ واقعات

تعاقب کرنے والوں میں ایک شخص بریدہ اسلمی بھی تھا۔ وہ انعام کے لالچ میں اپنے ستر گھڑ سواروں کے ہمراہ قسمت آزمائی کے لیے نکلا تھا۔ خوش قسمت بریدہ نے انجام کار حضورؐ کی پارٹی کو پالیا۔ مگر جب وہ لوگ آپؐ کے قریب پہنچے تو آپؐ کی سحر آفریں شخصیت اور پُروقار چہرے سے اس قدر متأثر ہوئے کہ انھوں نے نہ صرف تعاقب ہی ترک کردیا بلکہ سب کے سب مسلمان بھی ہوگئے۔

دشمنوں کی زد سے بچ بچا کر حضورؐ لمحہ بہ لمحہ منزل کی طرف بڑھتے چلے جارہے تھے۔ راستے میں ایک مقام پر حضورؐ کی ملاقات حضرت زبیرؓ سے ہوئی، جو ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے لوٹ رہے تھے۔ انھوں نے آپؐ اور ابوبکرؓ کی خدمت میں سفید ملبوسات کے تحفے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

دشمن کی پہنچ سے محفوظ رہنے کے لیے عام راستے کی بجائے ساحل کے ساتھ سے گزرنے والا طویل اور تکلیف دہ راستہ ارادتاً اختیار کیا گیا تھا۔ اس پُرخطر اور پیچ و خم کھاتے ہوئے راستہ کی مختلف منزلیں طے کرتے ہوئے دو اونٹوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ انجام کار بخیریت تمام مدینہ کے نواحی علاقہ میں داخل ہوگیا۔

مدینہ میں وَالہانہ اِستقبال

حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے روانہ ہونے کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ آپؐ کی آمد کسی روز بھی متوقع تھی۔ مسلمان آپؐ کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ ان کے کئی ٹولے ہر روز صبح شہر سے دور نکل کر آپؐ کی راہ تکتے تھے۔ اور جب سورج بہت تیز ہوجاتا تو مایوس ہو کر واپس لوٹ آتے۔ یہ سلسلہ کئی روز تک
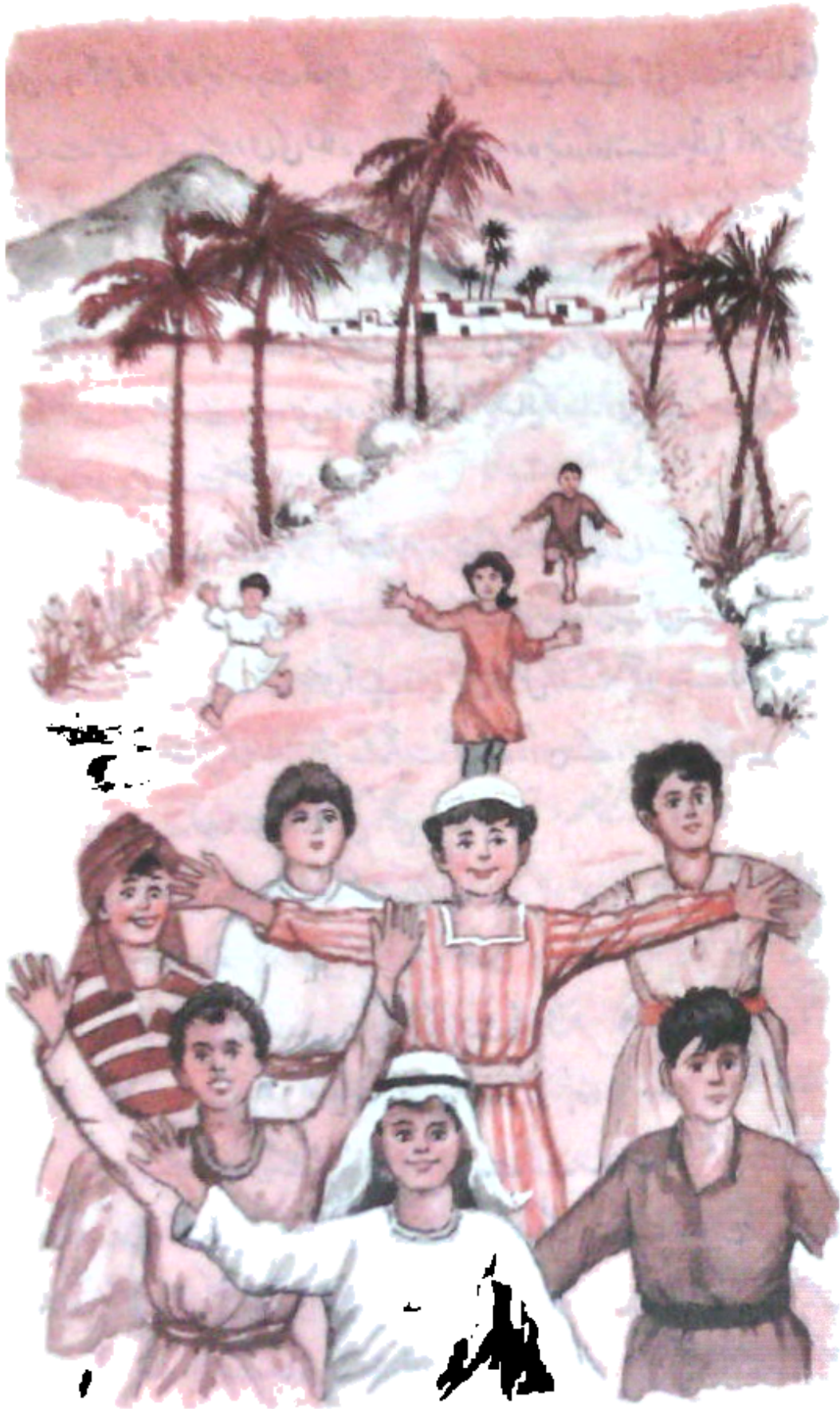
ننھے بچے مدینہ میں آنحضورؐ کا استقبال کر رہے ہیں

جاری رہا۔ آخرِ کار وہ پُر مسرت گھڑی آ پہنچی جس کا سب کو بے تابی سے اِنتظار تھا۔ سب سے پہلے ایک یہودی کی نگاہ آپؐ پر پڑی۔ وہ بلند آواز سے چِلّایا: "او بنو قیلہ! تمھاری قسمت تو جاگ اُٹھی ہے۔" سب لوگ حضورؐ کے استقبال کو لپکے۔ آپؐ اُس وقت تک اُونٹ سے اُتر کر ابوبکرؓ کے ساتھ کھجور کے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ چکے تھے۔ ہجوم میں سے اکثر لوگوں کو آپؐ کی پہچان نہ تھی۔ جب سایہ ڈھل گیا تو ابوبکرؓ بصد احترام اُٹھے اور اپنی چادر سے حضورؐ پر سایہ کر دیا۔ اس سے سب کو معلوم ہو گیا کہ دونوں میں سے حضورؐ کون ہیں؟

حضورؐ کا سب سے پُر جوش خیر مقدم مدینہ کے مسلمان بچّوں نے کیا۔ اُنھیں معلوم تھا کہ حضورؐ کو بچّوں سے بے انتہا محبت ہے۔ اُجلے کپڑے زیب تن کیے، وہ کب کے آپؐ کے اِنتظار میں بیٹھے تھے۔ جونہی آپؐ مدینہ میں داخل ہوئے، بچّوں نے ہاتھ ہلا ہلا کر آپؐ کا والہانہ استقبال کیا اور خوشی کے گیت گائے۔ اُن کے اس معصوم گیت کے پیارے بولوں سے تو ساری فضا گونج اُٹھی:

جانبِ جنوب کوہساروں سے ہم پر
چاند چودھویں کا بالآخر طلوع ہُوا
اُس کے دین و ہدایت کی نعمت کی خاطر
شکر ہم پر خُدا کا واجب ہُوا

اس ننھے مُنّے گیت کی سُریلی سُروں سے سارا شہر مسرّتوں سے جھکنے لگا۔ ننھے بچّوں کے جوش و جذبے سے حضورؐ بے حد مسرُور ہوئے۔ آپؐ نے ان سب سے فرداً فرداً ہاتھ ملائے، اُنھیں چُوما، اُنھیں گلے لگایا، اُنھیں دُعائیں دیں۔ آپؐ نے اُنھیں یقین دلایا کہ آپؐ اُن کے ساتھ رہنے، اُن کے ساتھ کھیلنے اور اُن کی جھولیاں خوشیوں سے بھر دینے کے لیے مدینہ تشریف لائے ہیں۔

12

جنگِ بدر کے واقعات

- مسلمان اور کافر فوجیں
- کفار کی شکستِ فاش
- مسرتوں میں غموں کی ملاوٹ
- جنگی قیدیوں سے بہترین سلوک
- ماتم کی ممانعت اور انتقام کی آگ

کفارِ مکّہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آنحضورؐ اور آپؐ کے ساتھی مدینہ میں آباد ہو چکے تھے۔ مکّہ کے برعکس مدینہ میں یہ لوگ بہت خوش تھے اور اپنے مشن میں خوب کامیاب ہو رہے تھے۔ مکّہ کے کافروں کو یہ بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے مشن کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے ہجرت کے فوراً بعد مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ مدینہ کے مکّار یہودیوں اور منافقوں سے بھی ساز باز رکھے ہوئے تھے۔ اُن کے چھوٹے چھوٹے دستے مدینہ کے نواحی علاقوں کی گشت کرتے اور لوٹ مار کر کے بھاگ جاتے۔ کئی بار وہ چراگاہوں سے مسلمانوں کے مویشی بھی ہانک کر لے جاتے تھے۔

فوج کشی کے لیے سب سے بڑا مسئلہ جنگی اخراجات ہوتے ہیں۔

اس لیے قریش نے اِس کے لیے خصوصی منصوبہ بندی کی۔ انھوں نے ابوسفیان کی زیرِ سرکردگی تجارت کے لیے ایک بہت بڑا قافلہ شام روانہ کر دیا۔ اِس قافلہ کے لیے مکّہ کی تقریباً ساری آبادی نے حسبِ توفیق سامانِ تجارت فراہم کیا تاکہ زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جاسکے اور اس ساری رقم کو مدینہ کے مسلمانوں کے خلاف فوجی کارروائی کے لیے استعمال کیا جاسکے۔

مُسلمان اور کافر فوجیں

مسلمانوں کو کفار کی سازشوں اور جنگی تیاریوں کی اِطّلاعات برابر مل رہتی تھیں۔ مدینہ کے دفاع کے بارے میں حضورؐ صحابۂ کرام سے صلاح مشورہ کرتے رہتے تھے۔ جب یہ اطلاع موصول ہوئی کہ کفارِ مکّہ ایک بڑا لشکر لے کر مدینہ روانہ ہو چکے ہیں تو فیصلہ ہوا کہ (ا) ایک طرف تو شام سے لوٹنے والے کفار کے قافلہ کو قابو کر لیا جائے اور (ب) دُوسری طرف مکّہ سے حملہ آور ہونے والے لشکرِ کفار سے شہر سے باہر نکل کر بدر کے مقام پر ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔

چنانچہ آپؐ نے مسلمانوں کی ایک مختصر سی فوج تیار کی اور یہ لوگ ۱۲ رمضان ۲ ہجری کو بدر کی جانب روانہ ہوئے۔ فوج کی کُل تعداد ۳۱۲ تھی مسلمانوں کے جوشِ جہاد کا یہ عالم تھا کہ بعض کم عمر بچّے بھی فوج میں شامل ہونے کے لیے سخت اصرار کرتے تھے۔ مکّہ سے کفار بڑی شان و شوکت اور رسد و سامان کے ساتھ نکلے تھے۔ اُن کا ظاہری محرّک اپنے تجارتی قافلے کو بچانا تھا۔ اُن کی فوج ایک ہزار سے زائد تھی، جس میں سو سواروں کا ایک رسالہ بھی شامل تھا۔ عُتبہ جو اُس وقت قریش کا سب سے معزز سردار تھا اُن کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اور اس میں ابوجہل اور باقی تمام بڑے بڑے سردار بڑے طمطراق سے شامل تھے۔ یہ لشکر رنگ رلیاں

معرکۂ بدر کا نقشہ
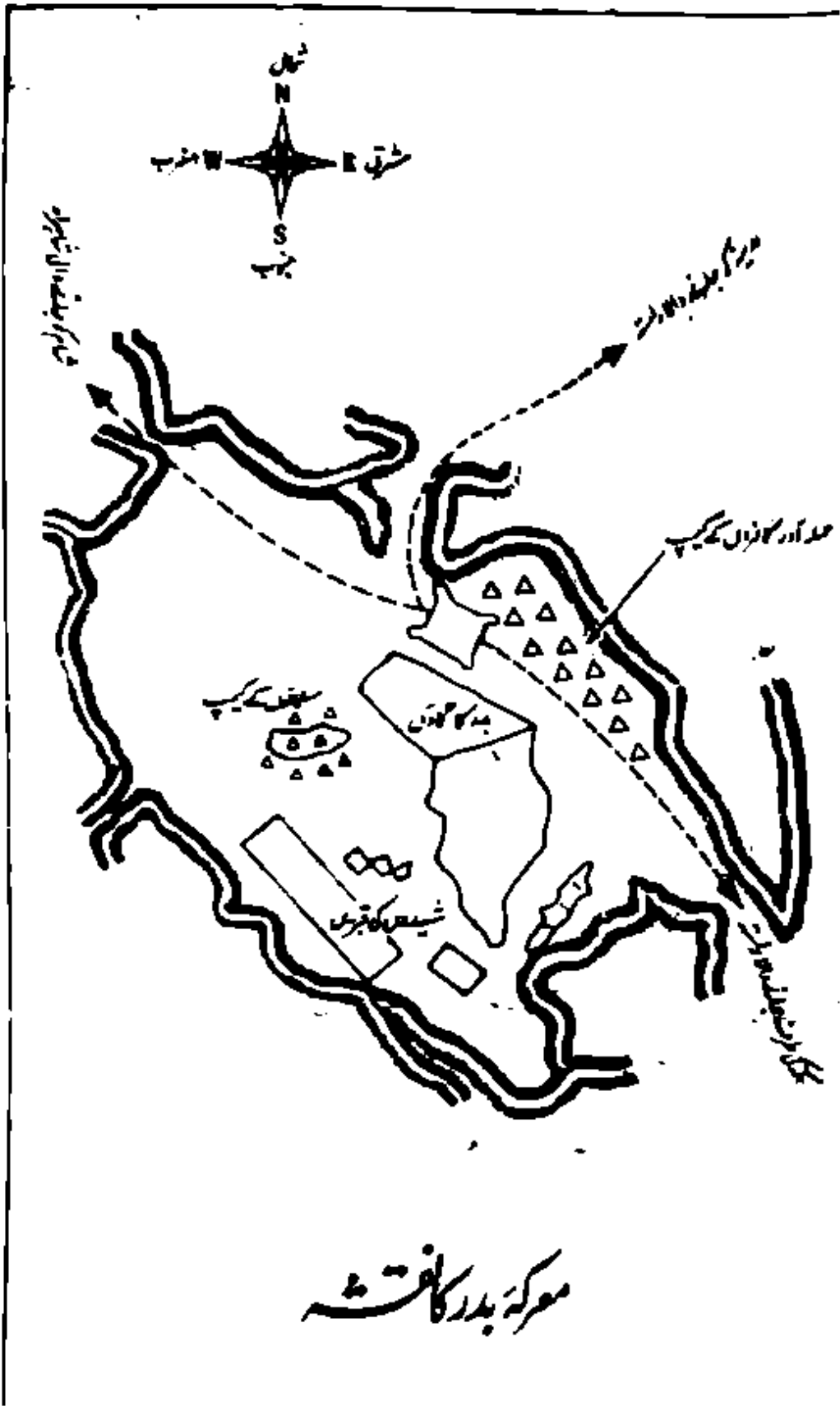
مناتا، شراب اور عورتوں سے جی بہلاتا اور لہو موسیقی کی تھاپ پر اچھلتا کودتا چلا آرہا تھا۔

اُدھر شام سے لوٹتے ہوئے قافلہ کو جب پتہ چلا کہ مدینہ سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ میں خطرہ ہے تو سردار قافلہ ابوسفیان نے فوراً اپنا راستہ بدل لیا اور یوں یہ لوگ لمبے مگر محفوظ ساحلی راستے کی طرف مُڑ گئے۔ اس طرح قافلہ مسلمانوں کی زد سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔ کفار کے لشکر کو بدر کے مقام پر پہنچ کر جب معلوم ہُوا کہ اُن کا قافلہ راستہ بدل کر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے تو اُن کے کچھ رہنماؤں نے مشورہ دیا کہ اب چونکہ مسلمانوں پر لشکرکشی کا کوئی جواز نہیں رہا اس لیے معاملہ ختم کرکے مکہ لوٹا جائے۔ مگر ابوجہل اور اُس کے تندوتیز حمایتوں کے اصرار پر بدلے ہوئے حالات کے باوجود جنگ لڑنے کا فیصلہ بحال رکھا گیا۔

کفار کی شکستِ فاش

جنگِ بدر میں گو ساری منصوبہ بندی تمام تر حضورؐ ہی نے کی تاہم وہ اپنے ساتھیوں سے اہم امُور پر صلاح مشورہ ضرور فرماتے رہے۔ حضورؐ کی سرکردگی میں ساری تیاریاں مکمل کرکے اُس رات مسلمانوں نے مطمئن ہو کر خوب اچھی طرح آرام کیا۔ مگر خود حضورؐ رات بھر عبادت اور دُعا میں مصرُوف رہے۔ صُبح ہُوئی تو آپؐ نے مسلمانوں کو نماز کے لیے جمع کیا۔ نماز کے بعد آپؐ نے جہاد پر وعظ بھی فرمایا۔ اس فریضہ سے فارغ ہو کر آپؐ نے ایک تیر اُٹھایا اور صف آرائی کے لیے زمین پر مختلف لکیریں ڈالیں۔ لڑائی میں شوروغوغا عام معمول ہوتا ہے۔ مگر آپؐ نے سب کو ہدایت کردی کہ اپنے اپنے فرائض اطمینان اور خاموشی سے ادا کریں۔

آخرکار دونوں فوجیں میدانِ بدر میں آمنے سامنے صف آراء ہوگئیں۔

مسلمانوں کا چھوٹا سا لشکر اللہ سے دعائیں مانگتا اور قوتِ ایمانی سے سرشار نہایت منظم انداز میں میدانِ جنگ میں ڈٹا ہوا تھا۔ اس کے برعکس کفار کا عظیم لشکر اپنے ساز و سامان اور تعداد پر بہت نازاں اور انتہائی منتشر حالت میں صف آراء تھا۔

لڑائی کا آغاز ہوا۔ عرب دستور کے مطابق عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے فریقین کے چیدہ چیدہ شہسوار آپس میں تیغ زنی کیا کرتے تھے اور عام جنگ کا باقاعدہ سلسلہ اس کے بعد شروع ہوتا تھا۔ خدا کی قدرت ان ابتدائی جھڑپوں ہی میں کفار کا سپہ سالار عتبہ ہلاک ہوگیا اور ایک آدھ اور مشہور سردار بھی ختم ہوگئے۔ ان ابتدائی کامیابیوں سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ عام لڑائی شروع ہوئی۔ تعداد اور جنگی سامان کی برتری سے متعلق کفار کا گھمنڈ جلد ہی ٹوٹنے لگا۔ تھوڑے ہی وقفہ کے بعد ابوجہل اور کئی دوسرے نامور سردار ایک ایک کرکے تہ تیغ ہوگئے۔ جس سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے مکہ کی جانب رُخ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی۔ ان کے صرف ۱۴ آدمی شہید ہوئے اور کوئی مسلمان قیدی نہ بنایا جاسکا۔ اس کے برعکس قریش کے ۷۰ آدمی قتل ہوئے اور ۷۰ ہی کے قریب قیدی بنالیے گئے۔

مسرتوں میں غموں کی ملاوٹ

مسلمانوں کے فاتح لشکر کی میدانِ جنگ سے ایک دن پہلے حضرت زیدؓ اور حضرت عبداللہؓ فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ پہنچے۔ دونوں صحابی جدا جدا راستوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ حضرت زیدؓ آنحضورؐ کے اونٹ پر

سوار تھے۔ اُن کا چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا۔ وہ چلتے جا رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی شاندار فتح اور کفار کی شکست فاش کی آنکھوں دیکھی سرگزشت بیان کرتے جا رہے تھے۔ مدینہ کے مسلمان قدرتی طور پر ان باتوں سے بے حد مسرور ہوئے۔ مگر یہودیوں، بت پرستوں اور منافقوں کو بے حد تشویش لاحق ہو رہی تھی۔ یہودیوں کے ایک سردار نے جب معرکہ بدر میں کفار کی پسپائی کا حال سنا تو بڑے کرب ناک انداز میں چلا اُٹھا: "عرب کے اصل فرمانرواؤں اور حرم کے پاسبانوں کے مارے جانے کے بعد موت زندگی سے بہتر ہے۔"

مکار دشمنوں نے مسلمانوں کی خوشیوں کو غم میں تبدیل کرنے کے لیے ایک عیارانہ منصوبہ بنایا۔ انھوں نے اچانک یہ افواہ اُڑا دی کہ دراصل حضورؐ ہلاک ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی ہے۔ اپنی بے پر کی ہوائی کو وزن دینے کے لیے انھوں نے جو دلائل پیش کیے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ حضرت زیدؓ جس اُونٹ پر سوار ہو کر لوٹے ہیں وہ حضورؐ کی ذاتی سواری ہے۔ اگر آپؐ زندہ اور فاتح ہوتے تو اپنے اُونٹ کو کسی اور کے حوالے کرنے کی بجائے اس پر خود سوار ہو کر فاتحانہ شان سے مدینہ میں داخل ہوتے۔ افواہ باز یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمانوں کی "شکست" اور حضورؐ کی "ہلاکت" کے صدمہ سے زیدؓ اپنے حواس کھو بیٹھے ہیں اور فرضی "فتح" کی بہکی بہکی باتیں کیے جا رہے ہیں۔

اس جانکاہ افواہ سے مدینہ کے مسلمانوں کی اُمنگوں پر اوس پڑ گئی۔ وہ بہت رنجیدہ ہوئے۔ ہر طرف اضطراب اور افسردگی کی تاریکی چھا گئی۔ مگر اتفاق سے تھوڑی دیر بعد ہی چاروں طرف سے مسلمانوں کی شاندار فتح کی خبریں آنے لگیں اور حضورؐ کے صحیح سلامت ہونے کی پوری تصدیق ہو گئی۔ اس سے مسلمانوں کی مسرتوں کی انتہا نہ رہی اور وہ اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرنے لگے۔ اس بے پر کی افواہ کی

ناکامی پر یہودی اور اُن کے حلیف بے حد کھسیانے ہوئے۔

جنگِ بدر کی فتح کی مسرتوں میں ایک حقیقی غم بھی شامل تھا۔ آنحضورؐ جب بدر کے لیے روانہ ہو رہے تھے تو آپؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سخت علیل تھیں۔ آنحضورؐ کی مدینہ واپسی سے قبل ہی اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپؐ اور سب مسلمان اس افسوس ناک موت کے صدمے سے بے حد غم زدہ تھے۔

جنگی قیدیوں سے بہترین سلوک

شکست خوردہ کفار تو جنگ کا پانسہ پلٹتے ہی مکّہ کی جانب دُم دبا کر بھاگنے لگے تھے مگر فاتح مسلمان شام تک میدانِ جنگ میں موجود رہے۔ انھوں نے مقتولین کفار کی ساری لاشیں ایک جگہ جمع کیں اور انھیں ایک گڑھے میں دفن کر دیا۔ حضورؐ نے دُشمن کی لاشوں کی بے حُرمتی سے بڑی سختی سے منع کر دیا تھا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام سے پہلے دُنیا میں جتنی قومیں اور سلطنتیں موجود تھیں وہ سب مقتولین اور اسیرانِ جنگ کے ساتھ انتہائی شرمناک اور وحشیانہ سلوک کیا کرتی تھیں، جنھیں سُن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر جنگی قیدیوں سے مسلمان جس حسنِ سلوک سے پیش آئے اُس کی نظیر نہیں ملتی۔ آنحضورؐ نے دو دو چار چار کی تعداد میں قیدی صحابہ کی تحویل میں دے دیے اور اُنھیں ہدایت کی کہ اُنھیں آرام اور احترام سے رکھا جائے۔ چنانچہ صحابہ خود تو رُوکھی سُوکھی کھا کر گزارہ کر لیتے مگر قیدیوں کو بہت اچھی طرح کھلاتے تھے۔

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو بھی تھا۔ وہ شعلہ بیان مقرر تھا۔ جنگ سے پہلے وہ مکّہ میں عام جلسوں میں آنحضورؐ کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپؐ سے عرض کیا "یا رسول اللہ! اس کے نیچے کے

دو دانت اکھڑوا دیں تاکہ یہ پھر اچھی طرح بات نہ کر سکے۔" آپؐ نے اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا: "اگر میں اس کے اعضا بگاڑوں گا تو گو میں نبی ہوں، خدا اس کی پاداش میں میرے اعضا بھی بگاڑ دے گا۔"

بعد میں جنگی قیدیوں کا فدیہ چار ہزار درہم فی کس مقرر ہوا۔ امیر قیدیوں سے زیادہ رقم وصول کی گئی۔ لیکن جو قیدی مفلسی کی وجہ سے فدیہ ادا کرنے کے قابل نہ تھے انھیں بلا معاوضہ ہی رہا کر دیا گیا۔ پڑھے لکھے قیدیوں کو حکم ہوا کہ اگر وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تو انھیں بھی رہا کر دیا جائے گا۔

جنگِ بدر میں کافی مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضورؐ نے سارا مال ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس میں سے پانچواں حصہ ریاست مدینہ کے فلاحی کاموں کے لیے نکال لیا گیا۔ باقی مالِ غنیمت مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ شہدا کا حصہ اُن کے وارثوں کے حوالے کر دیا گیا۔

ماتم کی ممانعت اور انتقام کی آگ

بدر میں ہزیمت کی غیر متوقع خبر مکہ پہنچی تو گھر گھر صفِ ماتم بچھ گئی۔ لیکن غیرت کی وجہ سے کفار نے اعلان کر دیا کہ کوئی شخص رونے دھونے یا نوحہ نہ کرنے پائے۔ جنگِ بدر میں ایک مکی سردار اسود کے تین جوان سال بیٹے مارے گئے تھے۔ شدتِ غم سے اس کی بینائی بھی زائل ہو گئی۔ اس کا دل رونے کو بہت ترستا تھا مگر وہ مجبور تھا۔ ایک رات اُسے اپنے مکان کے باہر کسی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ اسود سمجھا شاید مقتولین بدر پر رونے دھونے اور نوحہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اس نے اپنے خادم سے کہا: "جاؤ، دیکھو باہر کون رو رہا ہے؟ کیا یہ قریش کے مقتولوں کا نوحہ ہے؟ میرے سینے میں بھی آگ

لگی ہوئی ہے۔ میں بھی جی کھول کے روؤں تو شاید تسکین ہو جائے گی:"

خادم نے واپس آکر بتایا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اور بیچاری پریشانی کے عالم میں واویلا کر رہی ہے۔ اس پر اسود کی زبان سے بے ساختہ چند شعر نکل گئے۔ پہلے دو شعروں کا ترجمہ یوں ہے:

اونٹ کھو جانے پہ کیوں چلاتی ہے تو
اتنے سے غم پہ راتوں کی نیند گنواتی ہے تو
اے خاتون! کھوئے اونٹ پہ آنسو نہ بہا
رونا ہے تو بدر پہ رو، جہاں نصیبہ ہمارا پھوٹ گیا

الغرض گریہ زاری سے گریز کرتے ہوئے قریش کے تمام چھوٹے بڑے آتش انتقام میں جلتے رہے۔ اور حضورؐ اور مسلمانوں کا ملیامیٹ کرنے کی تیاریوں میں ہمہ تن مصروف رہے۔

جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح کو بہت زیادہ تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اس خبر کے بعد پورے علاقہ میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ کفار کے چوٹی کے سردار ہلاک ہو چکے تھے۔ ان کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ مسلمانوں کا پرچم ہر جگہ لہرانے لگا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ میں ایک ایسی فلاحی سلطنت جڑیں پکڑ گئی جسے اسلام کی تہذیب و تمدن کا مرکز تسلیم کیا جاتا ہے۔ آئندہ سالوں میں اسلامی تمدن کے اثرات جزیرۂ نمائے عرب کی حدود پھلانگ کر دور دراز کے علاقوں میں بھی پھیلتے گئے۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب دُنیا کا گوشہ گوشہ اس کے خوشگوار اثرات سے لُطف اندوز ہُوا۔ دراصل بعد کے تمام تعمیری ارتقاء کی اصل بنیادیں مدینہ کی اُس عظیم فلاحی سلطنت ہی میں استوار ہُوئیں جسے جنگِ بدر کے بعد حیرت انگیز استحکام نصیب ہُوا۔

13

جیتی ہوئی جنگ میں شکست

- کفارِ مکّہ کی لشکر کشائی
- مسلمانوں کی جوابی کارروائی
- شمشیرِ رسولؐ کے کارنامے
- پہلے فتح پھر شکست
- وحشی کے ہاتھوں حمزہؓ کی شہادت
- مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ
- لوٹتے ہوئے دشمن کا تعاقب
- غم کی گھٹائیں اور دشمنوں کے طعنے

جنگِ بدر میں عبرت ناک شکست کے بعد کافروں میں اِنتقام کی آگ بڑی شدت سے سُلگنے لگی۔ اُن کے بیشتر سردار اور پیشوا ہلاک ہو چکے تھے۔ اُن کی یاد اُن کے دِلوں سے محو نہ ہوئی تھی۔ قریش کی ہر عورت اپنے باپ، بھائی، شوہر، بیٹے اور عزیز و اقارب کی یاد میں نوحہ کرتی اور آنسو بہاتی تھی۔ اُن کے کئی شاعر اُنھیں بدلہ لینے کے لیے اُکساتے رہتے تھے۔ غرضیکہ مکّہ میں ہر جانب غم و اضطراب کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور اِنتقام کی آگ پوری طرح شعلہ زن تھی۔ دُوسری طرف ایک خوف ناک مالی بحران اُن کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اُنھیں اڑھائی لاکھ درہم

سے زائد رقم قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا پڑا۔ مدینہ سے گزرتی ہوئی شام کو جانے والی تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کے قبضہ سے اُن کی تجارت بہت بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ نتیجتاً مکّہ کا تقریباً ہر گھر اقتصادی بدحالی کا شکار تھا۔ چنانچہ جذباتی اشتعال کے علاوہ اقتصادی ویرانی سے نجات پانے کے لیے بھی سب چھوٹے بڑے جنگی تیاریوں میں مصروف ہے۔

کفارِ مکّہ کی لشکر آرائی

آخر کار جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو کفار مدینہ پر لشکر کشی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پانچ ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار ہوا۔ ان میں سات سو زرہ پوش، دو سو گھڑ سوار اور تین ہزار اونٹ سوار تھے۔ لشکر میں عورتوں کا ایک خاص دستہ بھی شامل تھا۔ جس کی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہندہ کر رہی تھی۔ یہ عورتیں دف بجا بجا کر رزمیہ اشعار پڑھتیں اور سپاہیوں کے جذبۂ انتقام کو اُبھارتی تھیں۔ ہند یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

ہم آسمانی ستاروں کی بیٹیاں ہیں
ہم قالینوں پر چلا کرتی ہیں
اگر تم آگے بڑھ کے لڑو گے
تو ہم تُم سے گلے ملیں گی
اور اگر پیچھے ہٹو گے
تو ہم تُم سے روٹھے رہیں گی

غرض کفار کا یہ لشکر مکّہ سے بڑی دھوم دھام سے روانہ ہوا۔ راستہ میں جب یہ لوگ اَبواء کے مقام پر آنحضورؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی قبر کے پاس

سے گزرے تو بعض مشتعل فوجیوں نے قبر کی توڑ پھوڑ اور بے حرمتی کرنا چاہی۔ مگر کفار کے سنجیدہ مزاج سرداروں نے اس ناشائستہ حرکت کی اجازت نہ دی۔ ابواء سے یہ لشکر عقیق پہنچا جو کوہِ اُحد کے دامن میں مدینہ سے پانچ میل دُور واقع ہے۔

مُسلمانوں کی جوابی کارروائی

مسلمانوں کو کفّار کی لشکرکشی کی خبریں لمحہ بہ لمحہ موصول ہو رہی تھیں۔ اُن میں اس معاملے پر اختلافِ رائے تھا کہ لشکرِ کفّار کا مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے یا باہر نکل کر۔ چونکہ اکثریت شہر سے باہر نکل کر کھُلے میدان میں لڑنے کے حق میں تھی اس لیے حضورؐ نے اسی کی اجازت دے دی۔ چنانچہ مسلمانوں نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ پہن لی اور پہلو سے تلوار لٹکالی۔ آپؐ تقریباً ایک ہزار فوج لے کر میدانِ جنگ کی جانب روانہ ہوئے۔ جوشِ جہاد اس قدر عام تھا کہ سخت اصرار کی وجہ سے چند بچّوں کو بھی فوج میں شامل کرنا پڑا۔ بدنام منافق عبداللہ بن اُبی راستے میں بہانہ بنا کر اپنے تین سو آدمیوں سمیت واپس مدینہ کھسک آیا۔ لشکرِ اسلامی میں اب تقریباً سات سو افراد باقی رہ گئے، جن میں ایک سو زرہ پوش تھے۔

اِسلامی فوج نے مدینہ سے تین میل دُور کوہِ اُحد کے دامن میں اپنا پڑاؤ ڈالا۔ مسلمانوں کے پچھلی جانب پہاڑ کے دامن میں ایک درّہ تھا جسے جبل عینین کہتے ہیں۔ خطرہ تھا کہ دُشمن اس درّہ سے نکل کر پیچھے سے حملہ آور نہ ہوں۔ اس لیے آنحضورؐ نے شروع ہی میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ اس درّہ کی حفاظت کے لیے مامور کر دیا۔ دستے کے سردار عبدالرحمٰن بن جُبیر مقرّر ہوئے۔ اُنھیں ہدایت کی گئی کہ فتح ہو یا شکست اُنھوں نے کسی صُورت بھی اس اہم پہاڑی مورچہ سے

شمال
N
مغرب
W
E
مشرق
S
جنوب
شہداء کی قبریں
جنگِ اُحد کا نقشہ
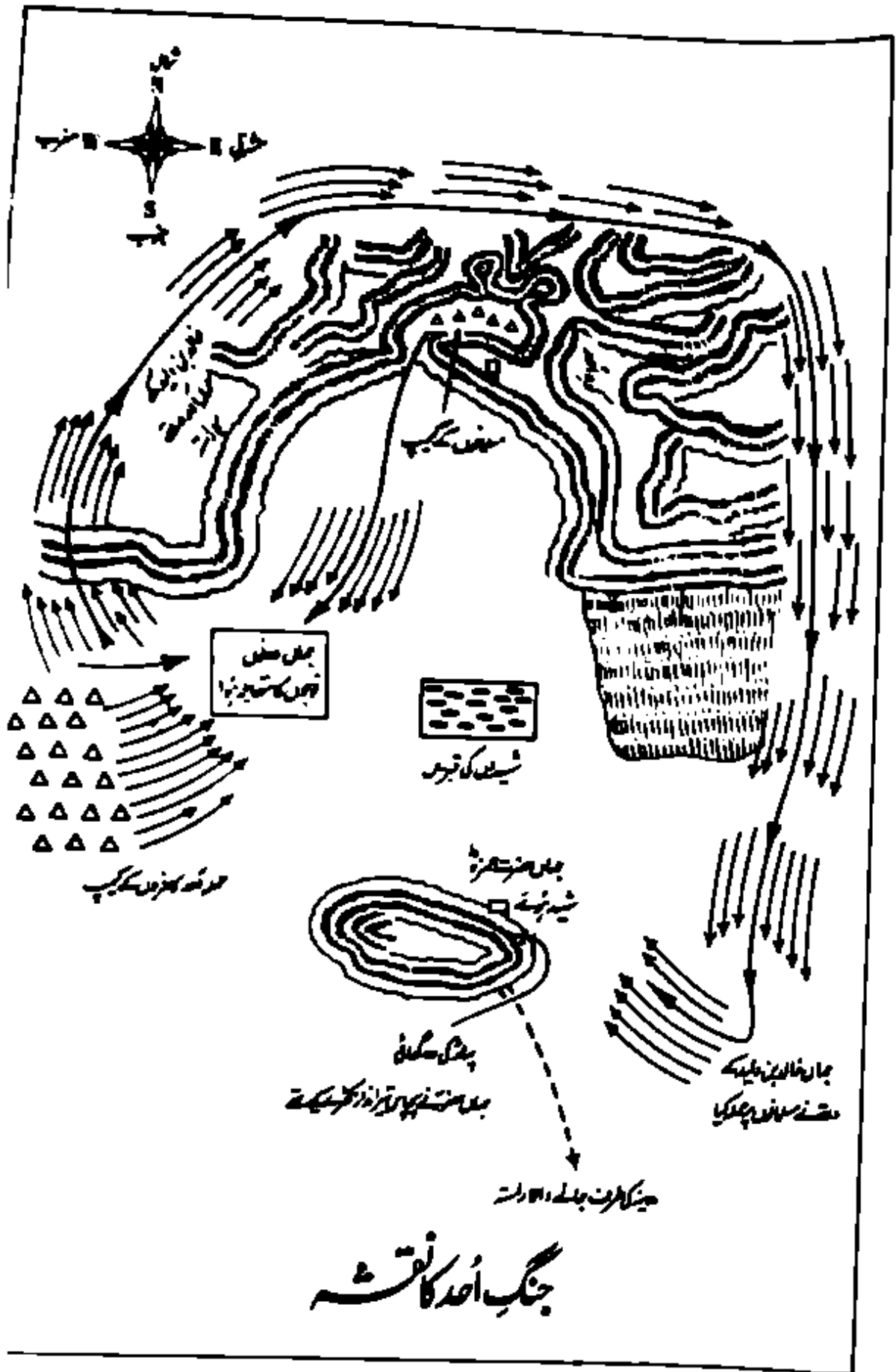
اِدھر اُدھر نہیں ہٹنا۔ اس لطیف نکتہ کو ذہن نشین رکھنا بے حد ضروری ہے کیونکہ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی ہزیمت کا راز اِسی نکتہ میں مضمر ہے کہ جب رسولِ خُدا کے احکام سے تغافل برتا جائے تو کیا حشر بپا ہوتا ہے۔

شمشیرِ رسولؐ کے کارنامے

اسلامی لشکر میدانِ جنگ میں صف آرا ہو گیا۔ آنحضورؐ صفوں میں گشت کرتے، اُن کی ترتیب و تنظیم کا جائزہ لیتے اور مجاہدوں کو ضروری ہدایات جاری کرتے رہے۔ پھر آپؐ نے اپنی ذاتی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے فرمایا: "کون ہے جو یہ شمشیر لے اور پھر اس کا حق بھی ادا کرے؟" کئی بہادر جواں حضورؐ کی شمشیر لینے کے لیے آگے بڑھے مگر آپؐ نے اسے کسی کے حوالے نہ کیا۔ حضرت ابو دُجانہؓ بے حد دلیر مجاہد تھے۔ جب وہ سر پر سُرخ پگڑی باندھ لیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ جنگ میں اسلام کی خاطر خُون کا آخری قطرہ تک بہانے کو تیار ہیں۔ اُن کی سُرخ پگڑی کو "عمامۂ اجل" بھی کہا جاتا تھا۔ آپؓ شمشیرِ رسولؐ کے مستحق قرار پائے۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ شمشیر کو تھام کر ابودجانہؓ بڑے جاہ و جلال اور ناز و ادا سے لشکرِ اسلامی کی صفوں کے آگے چلنے لگے۔ اُن کی یہ بانکی چال دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا "یہ وہ چال ہے جسے خُدا اس موقع کے سوا کسی اور مرحلہ پر پسند نہیں کرتا۔"

کچھ دیر بعد دونوں فوجیں آمنے سامنے ڈٹ گئیں۔ ایک مغرور فوج جو تعداد میں کہیں زیادہ تھی، محض جذبۂ اِنتقام کی تسکین کی خاطر لڑ رہی تھی۔ دُوسری فوج تعداد اور ساز و سامان میں کہیں کم تھی مگر قوتِ ایمان اور محبتِ وطن سے سرشار تھی۔ اِکا دُکا شمشیر زنی کے بعد عام لڑائی شروع ہُوئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور دیگر مسلمان مجاہدوں کی بے مثال جرأت اور ہیبت سے دُشمن پر مسلمانوں کی دھاک

بیٹھ گئی۔ اسی طرح حضرت ابو دجانہؓ شمشیرِ رسولؐ لہراتے، دشمن کی صفوں کو چیرتے اور انھیں ڈھیر کرتے ہوئے ہر جانب بجلی کی مانند کوندتے چلے جا رہے تھے۔ جب تک آپ کی نگاہ ایک کافر سپاہی پر پڑی جو مسلمانوں پر بڑھ چڑھ کر حملے کر رہا تھا۔ آپؓ فوراً اس پر جھپٹے تو وہ خوف سے عورتوں کی طرح چیخنے چلانے لگا۔ آپؓ نے حیرت سے اس کی طرف غور سے دیکھا تو وہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی جو بھیس بدل کر لڑ رہی تھی۔ ابودجانہؓ نے یہ کہہ کر اس سے منہ پھیر لیا کہ شمشیرِ رسولؐ کو عورت کے خون میں رنگنا مناسب نہیں۔

پہلے فتح پھر شکست

اگرچہ لشکرِ اسلامی تعداد اور سامان میں بہت کم تھا تاہم اس کے بہادر سپاہی اس بے جگری سے لڑے کہ حملہ آور قریش کے دانت کھٹے ہو گئے۔ مسلمانوں کی شجاعت اور تیغ زنی سے لشکرِ کفار میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ ان کے سوار یکے بعد دیگرے ہلاک ہوتے گئے۔ آخر کار بدحواسی اور ہزیمت سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کو جنگ پر ابھارنے والی عورتیں بھی نرغے میں آگئیں۔ برکت و سعادت کے لیے وہ اپنا ایک بت بھی میدانِ جنگ میں اپنے ساتھ لائے تھے۔ انتشار اور سراسیمگی کے ماحول میں وہ بت بھی منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔ انتہائی اضطراب اور بدحواسی کے عالم میں کفارِ مکہ اپنے بت کو مسلتے ہوئے میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع ہوئے۔

جنگِ احد میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ کفارِ مکہ کے عظیم لشکر نے اپنے سے کہیں چھوٹی اور بے سروسامان فوج کے ہاتھوں بہت بری شکست کھائی۔ مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے کفار کا کافی دور تک پیچھا کیا۔ اور پھر وہ دفعتاً مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دولت کی ہوس نے انھیں دشمن کا زیادہ دور تک

تعاقب کرنے سے روک دیا۔ تیراندازوں کے اس دستہ نے جو آنحضورؐ کی ہدایات کی تعمیل میں گھاٹی کے درّہ کی حفاظت پر مامور تھا جب فاتح مسلمانوں کو مالِ غنیمت پر لپکتے دیکھا تو اُن کے مُنہ میں بھی پانی بھر آیا اور وُہ اپنا اہم مورچہ چھوڑ چھاڑ کر لُوٹ مار میں شریک ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ اس پر اُن کے سردار نے انھیں مورچہ پر ڈٹے رہنے کی بہت تلقین کی، مگر بے سُود۔ چنانچہ صرف چند ایک فرض شناس تیرانداز ہی اُس پہاڑی درّہ پر بدستور ڈٹے رہے۔ باقی سب نے مالِ غنیمت کے لالچ میں آکر مورچہ چھوڑ دیا اور میدان میں کُود پڑے۔

صورتِ حال بدلنے لگی تو تھوڑی دیر بعد کفار کے بھاگتے ہُوئے سپاہی پلٹا کھانے لگے۔ اسی دوران خالد بن ولید (جو ابھی مسلمان نہیں ہُوئے تھے) کی سرکردگی میں کفار کا ایک تازہ دم دستہ اُدھر آ نکلا۔ پہاڑی مورچہ کو کمزور پا کر یہ دستہ اس سمت سے مسلمانوں پر حملہ آور ہُوا۔ خالد نے آگے بڑھ کر زور سے نعرہ لگایا۔ کفار کی شکست خوردہ فوج میں گویا پھر سے جان پڑ گئی۔ اور اُن کے بھگوڑے سپاہی میدانِ جنگ میں لَوٹنے لگے اور یُوں لڑائی کا بازار پھر گرم ہو گیا۔ درّہ پر موجود دس تیرانداز کفار کے ریلے کو روکنے میں ناکام رہے اور ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ بد قسمتی سے مسلمانوں کی اکثریت ابھی تک مالِ غنیمت سمیٹنے میں مگن تھی۔ انھیں کوئی خبر نہ تھی کہ جنگ کا پانسہ بڑی تیزی سے پلٹ رہا ہے۔ مسلمان سپاہی منتشر ہو چکے تھے۔ موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہُوئے کفار کا زخم خوردہ لشکر ایک اُمنڈتے ہُوئے سیلاب کی طرح پھر آگے بڑھا اور آناً فاناً لوٹ کھسوٹ میں محو مسلمانوں کو چاروں طرف سے اپنے نرغے میں لے لیا۔ چنانچہ وُہی مُسلمان جو چند لمحے قبل جارحانہ انداز میں آگے بڑھ رہے تھے، اب اپنی جانیں بچانے پر مجبور ہو چکے تھے۔ اپنے رسولؐ اور قُدرتی سپہ سالارؐ کے ایک حکم سے غفلت اُنھیں بہت مہنگی پڑی تھی۔

وحشی کے ہاتھوں حمزہؓ کی شہادت

میدانِ اُحد میں حضرت حمزہؓ حسبِ معمول بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے۔ اِس سے پہلے جنگِ بدر میں آپؓ نے کفار کے جن سرداروں کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا اُن میں ہندہ کا باپ عتبہ بھی شامل تھا۔ ہندہ اُس وقت سے باپ کے انتقام کی آگ میں بُری طرح جل رہی تھی۔ اُس نے ایک حبشی غلام وحشی سے یہ بات طے کر رکھی تھی کہ اگر وہ حضرت حمزہؓ کو ہلاک کر دے تو اُسے مالا مال کر دیا جائے گا۔ وحشی کے آقا جبیر بن مطعم کا چچا طعیمہ بھی جنگِ بدر میں ہلاک ہو چکا تھا۔ اُس نے بھی وحشی سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ اُس کے مقتول چچا کے بدلے رسولِ خدا کے چچا حضرت حمزہؓ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اُسے آزاد کر دیا جائے گا۔

وحشی محض اِسی کام کے لیے جنگِ اُحد میں شریک ہُوا تھا۔ اُسے حبشیوں کے اُس طریق نیزہ بازی پر پُورا عبُور حاصل تھا، جو بے حد مہلک ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ درختوں اور چٹانوں کی اوٹ میں چھپتا چھپاتا مسلمانوں کی صفوں کے بہت قریب جا پہنچا۔ اُس نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ ایک جگہ کفار کے سپاہیوں کو تہِ تیغ کرنے میں ہمہ تن مشغول ہیں۔ اُس نے نشانہ باندھ کر نیزہ پھینکا۔ نشانہ عین ٹھکانے پر لگا۔ حضرت حمزہؓ بہت بُری طرح زخمی ہو گئے اور لڑکھڑا کر وحشی کی جانب لپکے مگر گر پڑے اور وہیں شہید ہو گئے۔ وحشی اس حرکت کے بعد میدانِ جنگ سے کھسک گیا کیونکہ اُس نے اپنا کام مکمل کر دیا تھا۔

مسلمان مجاہد دھڑا دھڑ گر رہے تھے۔ ہندہ اور اُس کی ساتھی عورتیں شہیدوں کی نعشوں کی بے حُرمتی اور اُن کے اعضا کی قطع و برید میں مصروف ہو گئیں۔ اُنھوں نے اُن کے کان اور ناک کاٹ کاٹ کر اُن کے ہار، کنگن اور

پازیب بنائے۔ پھر انھیں زیب تن کر کے بڑے غرور سے اِدھر اُدھر ٹہلنا شروع کیا۔ ہندہ نے شہیدوں کے کاٹے ہوئے اعضا کے ہار پہن کر اپنے اصل زیورات اُتار دیے اور انھیں وحشی کو بطورِ انعام دے دیے۔ ہندہ نے انتہائی درندگی سے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا اور جگر نکال کر چبانا شروع کیا۔ وہ اُسے نگل نہ سکی۔ تو زمین پر تھوک دیا۔ اس کے بعد وہ شیطان سیرت عورت ایک اونچے ٹیلے پر جا بیٹھی اور چیخ چیخ کر گندے منہ سے رزمیہ اشعار پڑھنے لگی جن کا لب لباب یہ تھا کہ اُس نے آخر کار اپنے مقتول والد کا انتقام لے لیا ہے اور شہیدوں کی نعشوں کی بے حرمتی سے اُس کے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی ہے۔ کچھ عرصہ بعد ابوسفیان بھی حضرت حمزہ کی نعش کے پاس سے گزرا۔ آپؓ کے رخسار کو اپنے نیزہ کی نوک چبھو کر بولا: "اِسے بھی چکھو! او باغی!"

مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ

مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت مصعب بن عمیر کی شکل وصورت حضورؐ سے کافی ملتی جلتی تھی۔ جب وہ شہید ہو گئے تو دشمنوں نے شور مچا دیا کہ "محمدؐ ہلاک ہو گئے ہیں۔" یہ افواہ آناً فاناً سارے میدانِ جنگ میں پھیل گئی۔ مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے۔ حتٰی کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی بددل ہو کر تلواریں پھینک دیں اور افسردہ خاطر ہو کر پہاڑ کے ایک گوشے میں دبک کر بیٹھ گئے۔ بعض مسلمان سپاہی تو انتہائی بدحواسی کے عالم میں ایک دوسرے پر ہی وار کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت ابوحذیفہ غلطی سے کسی مسلمان ہی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

کفار مسلمانوں پر چاروں طرف سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ اُن کی

یلغار اس قدر شدید تھی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شدید زخمی ہو گئے۔ آپ کے دندانِ مبارک بھی شہید ہو گئے۔ ہونٹوں پر بھی گہرے زخم آئے۔ اِس کے باوجود آپ سنبھلے رہے اور ساتھیوں کے ساتھ دفاع پر ڈٹے رہے۔ کفار نے میدانِ جنگ میں ایک گڑھا کھود کر اس کا منہ گھاس پھونس سے ڈھانپ رکھا تھا۔ دشمن کے ہجوم سے بچا بچا کر آپ اِدھر سے گزرے تو اس میں گر پڑے۔ حضرت علیؓ نے آپ کا ہاتھ تھاما اور حضرت طلحہؓ نے سہارا دے کر آپ کو اس خطرناک گڑھے سے باہر نکالا۔

اصحاب نے آپ کو چاروں طرف سے اپنے حفاظتی گھیرے میں لے رکھا تھا تاکہ دشمن اور اُن کے تیر آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ حضرت کعبؓ نے آپ کو اچانک دیکھ لیا تو وہ خوشی سے بے اختیار پکار اُٹھے "مسلمانو خوشخبری ہو۔ نبی کریمؐ یہاں (زندہ) موجود ہیں"۔ حضورؐ نے اشارے سے حضرت کعبؓ کو اُونچی آواز سے اعلان کرنے سے منع فرمایا۔ مگر اُس وقت تک آپ کے حیات ہونے کی خوش خبری تمام مسلمان سُن چکے تھے۔ وہ سب آپ کی جانب پلٹے اور اپنی منتشر صفوں کو از سرِ نو ترتیب دینے لگے۔ کعبؓ کا اعلان کفار نے بھی سُن لیا تھا۔ انھیں اس بات پر سخت مایوسی ہوئی کہ حضورؐ اُن کی زد سے بچ نکلے ہیں۔ چنانچہ وہ مختلف سمتوں سے حضورؐ پر پے در پے حملہ آور ہوتے رہے مگر جان نثار مسلمانوں کا حفاظتی دستہ اپنی جانوں پر کھیل کر آپ کا دفاع کرتا رہا۔ اس وقت تک آپ بہت زخمی ہو چکے تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے آپ کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ اتنے میں خالد بن ولید ایک دستہ لے کر آپ پر پھر حملہ آور ہوا۔ مگر مسلمانوں نے انھیں مار بھگایا۔ اِسی دوران حضورؐ اس قدر نحیف اور تھکان زدہ ہو چکے تھے کہ آپ

نے جبلِ اُحد پر بیٹھ کر نمازِ ظہر ادا فرمائی۔ آپ کے ساتھ صحابہؓ نے بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھی۔ اِس جنگ میں عمارہؓ بن زیاد بھی شہید ہوئے۔ اُنھیں یہ قابلِ رشک سعادت نصیب ہوئی کہ اُنھوں نے جان دیتے ہوئے اپنے رُخسار حضورؐ کے تلووں سے لگا دیے تھے۔

کفار اپنی فتح پر آپے سے باہر ہو چکے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنے برگزیدہ بُتوں کے نام لے لے کر جنگی نعرے بھی لگاتے تھے۔ وہ خوش تھے کہ اُنھوں نے جنگِ بدر میں اپنے مقتولوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ جنگ مدھم پڑی تو ابوسفیان نے فخر اور تکبر سے اعلان کیا: "ہم نے بدر کا بدلہ تو جی بھر کے لے لیا ہے۔ اب ہم اگلے سال تم سے پھر لڑیں گے۔" اُدھر اُن کی بے لگام عورتوں نے شہداء کی نعشوں کی بے حرمتی جاری رکھی۔ شہیدوں کے کاٹے ہوئے اعضا کے ہار پہنے ہند بڑے غرور سے اِدھر اُدھر گھومتی پھرتی رہی۔ اس سفاک عورت نے حضرت حمزہ کی نعش کا چہرہ تو بالکل مسخ کر دیا تھا۔ کفار کی ان وحشیانہ حرکتوں سے حضورؐ بے حد رنجیدہ تھے۔ مگر آپ نے حکم دیا ہوا تھا کہ مسلمان انتقاماً ایسی بہیمانہ حرکتوں سے باز رہیں۔

فاتح کفار کے صرف تیس افراد ہلاک ہوئے تھے۔ جنگ کے اِختتام پر وہ اپنے مُردوں کو دفن کر کے واپس مکہ روانہ ہو گئے۔ اِس کے بعد مسلمانوں نے اپنے شہیدوں کی تکفین و تدفین کا اہتمام کیا۔ کل ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔

لوٹتے ہوئے دُشمن کا تعاقب

اگلے روز حضورؐ نے اصحابہ کو جمع کیا اور آیندہ لائحہ عمل پر سوچ بچار ہوا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ مکہ لوٹتے ہوئے دُشمن کا تعاقب کیا جائے تاکہ اس قسم کے

جراَت مندانہ اقدام سے مسلمانوں کے حوصلے از سر نو بلند ہوں اور اُن کے غم و خوف کا قلع قمع ہو۔ چنانچہ ستر آدمیوں کا ایک دستہ لشکر کفار کے تعاقب میں فوراً روانہ کردیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپؐ خود بھی باقی ماندہ فوج لے کر کفار کے تعاقب میں نکل پڑے۔ مسلمان مدینہ سے آٹھ میل دُور ایک مقام حمراء الاسد تک جا پہنچے۔ اس وقت ابوسفیان اور اُس کا لشکر ایک قریبی گاؤں روحا میں رُکے ہوئے تھے۔ کفار کو یہ حسرت ستا رہی تھی کہ جی بھر کر مسلمانوں کا پوری طرح صفایا نہ کر سکے۔ اِس لیے وہ مکہ کی جانب واپسی ملتوی کر کے دوبارہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔

جب اُنھیں معلوم ہوا کہ اُن کا تعاقب ہو رہا ہے تو وہ عجب کشمکش و پیچ میں پڑ گئے۔ دوبارہ مقابلہ میں آنے سے شکست کا خدشہ بھی تھا۔ مکہ کی جانب بھاگ نکلنے میں عزت و حرمت پر حرف آنے کا خطرہ بھی لاحق تھا۔ اسی حالت میں کفار نے حضورؐ کو خوف زدہ کرنے کے لیے ایک نفسیاتی چکر چلایا۔ انھوں نے یہ جھوٹ موٹ پیغام بھیجا کہ "ابوسفیان مسلمانوں کے دانت کھٹے کرنے کے لیے پھر پلٹ رہا ہے۔" حضورؐ یہ دھمکی موصول ہونے پر بھی اپنے عزم پر ڈٹے رہے اور حمراء الاسد میں پورے تین دن ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے۔ اسلامی لشکر نے تین رات آگ کا بڑا الاؤ روشن کیے رکھا تاکہ کفار پر واضح ہو جائے کہ مسلمان دوبارہ مقابلہ پر تُلے بیٹھے ہیں۔

مسلمانوں کو عزم و جراَت سے ڈٹا دیکھ کر ابوسفیان اور اس کے لشکر کے حوصلے پست ہو گئے۔ اُنھوں نے اسی میں خیریت سمجھی کہ چپکے سے مکہ لوٹ جائیں۔ روحا سے کفار کے کوچ کے بعد مسلمان بھی واپس مدینہ لوٹ آئے۔ حضورؐ کے اس دانش مندانہ تعاقب سے ہزیمت خوردہ مسلمانوں کے پریشان ذہنوں سے اُحد کی شکست کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا اور وہ نقصان کی تلافی اور آئندہ لائحہ عمل کی

تیاری میں از سرِ نو منہمک ہو گئے۔

غم کی گھٹائیں اور دشمنوں کے طعنے

جنگِ اُحد میں صاف فتح کے بعد ذلّت آمیز شکست پر مسلمانوں کو بیحد رنج تھا۔ مدینہ پر ہر جانب افسردگی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی نقصان ہُوا تھا اس لیے کچھ عرصہ تک تو تمام مدینہ ماتم کدہ بنا رہا۔ غم زدہ عورتیں شہیدوں پر زور زور سے نوحہ اور بَین کرتی تھیں۔ وہ اپنے کپڑے پھاڑتیں، گالوں پر تھپڑ مارتیں اور وحشت سے چیخیں چلّاتی تھیں۔ اظہارِ غم کی یہ رسوم جاہلیہ کے زمانہ سے چلی آ رہی تھیں۔ آنحضورؐ نے انھیں ترک کرنے کا بڑی سختی سے حکم دیا۔

مدینہ کے یہودی اور منافق مسلمانوں کی ہزیمت پر بہت خوش تھے۔ وہ اکثر مسلمانوں کو طرح طرح کے طعنے دیا کرتے تھے۔ زیادہ مذہبی دشمن مسلمانوں سے طنزاً پُوچھا کرتے تھے کہ "اگر جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح حضورؐ کی صداقت کا ثبوت تھی تو اُحد کی شکست کا مطلب کیا تھا؟" مسلمان یہ سب طعن و تشنیع صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے اور اپنے مقدس مشن کی تکمیل کے تمام منصوبوں میں ہمہ تن مصروف رہے۔

14

The conquest of Makkah.

فتح مکہ کی کہانی

- مکہ میں حضورؐ کی آمد
- عام معافی کا اعلان
- بُتانِ کعبہ کا انجام
- کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

جنگِ اُحد میں ہزیمت کے بعد مسلمان اپنے کھوئے ہوئے وقار اور قوت کی بحالی میں بڑی لگن اور محنت سے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آنحضورؐ کے جہادوں، حکمت عملیوں اور عہد ناموں کی بدولت مسلمانوں کی حالت مستحکم ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ وہ وقت بھی آپہنچا جب آپؐ نے فیصلہ کیا کہ مکہ مکرمہ سے کفر اور بُت پرستی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا جائے۔ تاکہ اس عظیم مقدس مقام کی اصل حیثیت کے احیاء کے بعد اس کی وساطت سے سارے جزیرہ نمائے عرب کو اسلامی معیار و اقدار سے مزین کر دیا جائے۔

یہ مقدس فریضہ آپؐ نہایت عمدگی اور کسی خون خرابے کے بغیر سرانجام دینا چاہتے تھے۔ چنانچہ مناسب تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ مگر آپؐ نے ساتھ ہی یہ احتیاط بھی فرمائی کہ اہلِ مکہ کو اس کی خبر نہ ہو تاکہ تصادم و توحش کی نوبت ہی نہ آئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد آپؐ نے مکہ جانے کا اعلانِ عام بھی فرما دیا، جس کے بعد مدینہ کے

مسلمانوں کے گھر گھر مکہ روانہ ہونے کے لیے کھلم کھلا تیاریاں ہونے لگیں۔

مکہ میں حضورؐ کی آمد

ایک عظیم الشان لشکر کی قیادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان المبارک ۸ ہجری (یکم فروری ۶۳۰ء) کو مدینہ روانہ ہوئے اور ۲۰ رمضان المبارک (۱۱ فروری ۶۳۰ء) مکہ پہنچ گئے۔ مسلمان سپاہیوں کا یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دس ہزار افراد پر مشتمل تھا۔ راستے میں مختلف قبائل کے لوگ بھی اس میں بکثرت شامل ہوتے رہے۔ حضورؐ چونکہ ایک منجھے ہوئے جرنیل اور ذی بصیرت سیاست دان ہونے کے علاوہ ایک راہ شناس تاجر بھی تھے اس لیے آپؐ نے ایسا بھول بھلیوں والا راستہ اختیار کیا کہ کفارِ مکہ کو اس معاملے کی اس وقت خبر ہوئی جب لشکرِ اسلامی نے مکہ سے صرف ایک میل دور پہنچ کر مرالظہران پر پڑاؤ ڈال لیا تھا۔ جب مسلمانوں کے خیمے دُور دُور تک پھیل گئے اور رات کو سپاہیوں نے جابجا آگ روشن کی تو وہ بنجر اور ریتلا علاقہ ایک حسین اور منوّر وادی کا نظارہ پیش کرنے لگا۔ اس عظیم الشان منظر سے کفارِ مکہ بہت مرعوب ہوئے۔

کفار کے سردار ابوسفیان خیمہ نبویؐ کے پاس سے گزرے تو محافظ دستہ نے انھیں پہچان کر روک لیا۔ حضرت عمرؓ تو اُس کی گردن اُڑا دینا چاہتے تھے مگر حضورؐ نے اُسے معافی دے دی۔ ابوسفیان نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر اُس نے اسلام سے قبل کی زندگی میں مسلمانوں پر کی ہوئی زیادتیوں پر ندامت کے اشعار پڑھے۔ جب ابوسفیان نے حضورؐ سے رخصت ہونا چاہا تو لشکرِ اسلام پوری آب و تاب سے مکہ شہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ حضورؐ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دیں تاکہ وہ اسلامی لشکر کا جاہ و جلال

اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ ابوسفیان مسلمانوں کی فوج دیکھ کر بہت متاثر ہوا تو سعدؓ نے اُس سے طنزاً کہا: "آج ہی تو گھمسان کی جنگ کا اصل دن ہے" بعد میں جب حضورؐ کا خصوصی دستہ ابوسفیان کے سامنے سے گزرا تو اُس نے سعدؓ کا دل شکن فقرہ آپؐ کو شکایتاً سنایا۔ حضورؐ نے اُسے تسلی دی اور فرمایا: "سعدؓ نے بالکل غلط کہا تھا۔ آج تو خانہ کعبہ کی چھنی ہوئی عزت از سر نو بحال کی جائے گی۔ آج کا دن لٹے ہوئے کو امن دلانے کا دن ہے" یہ کہہ کر آپؐ سورۂ فتح تلاوت کرتے ہوئے آگے نکل گئے۔

لشکرِ اسلام نے آناً فاناً سارے مکّہ کو محاصرے میں لے لیا۔ خالدؓ بن ولید (جو کب کے مسلمان ہو چکے تھے) نے دائیں اور زبیرؓ بن عوام نے بائیں جانب سے شہر کو گھیرے میں لے لیا۔ ابوعبیدہؓ پیادہ فوج کی کمان کر رہے تھے۔

صورتِ حال کے سرسری جائزہ ہی سے اہلِ مکّہ کی اکثریت اس نتیجہ پر پہنچ چکی تھی کہ اب مسلمانوں کی مخالفت بے سُود ہے۔ ویسے بھی وہ روز روز کی محاذ آرائیوں سے تنگ آ چکے تھے اور فوری امن و امان چاہتے تھے۔ تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کے قبضے سے اُن کی تجارت تباہ ہو رہی تھی اور وہ معاشی ابتری اور اقتصادی بحران سے نجات کے خواہاں تھے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود فتنہ انگیزوں کا ایک سخت جان گروہ اُن میں اب بھی موجود تھا جو بدستور تناؤ اور تصادم پر تُلا بیٹھا تھا۔ اُنھوں نے اوباشوں کا ایک چھوٹا سا جتھہ بھی تیار کر لیا تھا اور مکّہ کے ایک پہاڑ جبل خندمہ پر جا بیٹھے تھے۔ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ ان کا سرغنہ تھا۔ اُنھوں نے خالدؓ بن ولید کے دستوں کے تین نامور مجاہدوں کو شہید بھی کر ڈالا تھا۔ اِس پر خالدؓ طیش میں آ کر ان پر ٹوٹ پڑے اور شرپسندوں کے تیرہ آدمی موت کے گھاٹ اُتار دیے۔ باقی غنڈے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اِدھر کفارِ مکّہ کے

چند مغرور اور سرکش سرداروں کے سر تن سے یکے بعد دیگرے جدا ہوئے تو لاشوں کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر ابوسفیان چیخ اٹھا "قریش کا سرسبز گلستان ویران کر دیا گیا!"

عام معافی کا اعلان

کفارِ مکہ بے حد سہمے ہوئے تھے۔ وہ اپنے گناہوں نے نادم پر سخت خائف بھی تھے اور نادم بھی۔ انھیں کچھ پتہ نہ تھا کہ ان سے کیسا سلوک ہوگا۔ آخر کار شہر کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضورؐ نے لوگوں سے پوچھا "میں آج تم سے کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟" سب نے بیک آواز کہا: "آپ شریف بھائی ہیں، شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپؐ سے صرف خیر اور بھلائی ہی کی امید ہو سکتی ہے۔" اس پر آپؐ نے فرمایا: "آج میری طرف سے تم پر کوئی سرزنش نہ ہوگی۔ جاؤ تم سب آزاد ہو!" اس غیر متوقع اعلانِ معافی سے لوگوں کے سہمے ہوئے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے۔ کیونکہ یہ وہی بدنصیب لوگ تھے جنھوں نے آپؐ پر قاتلانہ حملوں کی بھرمار کر دی تھی اور آپؐ کی تضحیک و تمسخر کرنے اور سخت اذیتیں دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ ایسے بدکرداروں کو اگر سخت سے سخت سزا بھی دی جاتی تو بھی کم تھی۔

اس کے بعد آپؐ نے اعلانِ عام فرمایا کہ مندرجہ ذیل قسم کے تمام لوگوں کو مکمل امان دی جائے:

۱۔ وہ جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائیں۔

۲۔ وہ جو ہتھیار ڈال دیں۔

۳۔ وہ جو ابوسفیان کے گھر پناہ لے لیں، اور

۴۔ وہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر رہیں۔

اِس عام معافی نامہ سے صرف سترہ ایسے افراد کو محروم کردیا گیا جنھوں نے کچھ زیادہ ہی سنگین جرموں کا اِرتکاب کیا ہُوا تھا۔ چنانچہ اس قسم کے بچے کھچے افراد کے سر قلم کر دیے گئے۔ عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی اُمِ حکیم اسی روز ایمان لے آئی۔ مگر اُس کا شوہر یمن کی جانب بھاگ نِکلا۔ اُمِ حکیم اُس کے پیچھے پیچھے یمن جا پہنچی اور اُسے اسلام کی دعوت دی۔ جب عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا تو بیوی اُسے اپنے ہمراہ مکہ واپس لے آئی اور حضورؐ کے سامنے پیش کر دیا۔ حضورؐ نے اُسے بھی معاف کر دیا۔

بُتانِ کعبہ کا اَنجام

فتح مکہ کا اصل مقصد اسلام کی وسیع تر اشاعت اور بُت پرستی کا مکمل خاتمہ تھا۔ اُس وقت تک خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت نصب ہو چکے تھے۔ کُفار اِن کا عقیدت سے طواف کرتے، اُن پر قربانیاں دیتے، اُن سے منّتیں مانگتے اور چڑھاوے چڑھاتے۔ کعبہ کی دیواروں پر بعض انبیاء کرام کی گمراہ کُن اور مضحکہ خیز تصاویر بھی آویزاں تھیں۔ کعبہ کے مشہور بُت کا نام ہُبل تھا جسے بُت پرستوں کا "خدائے اعظم" سمجھا جاتا تھا۔ اُسے یاقوت کے سُرخ پتھر سے تراشا گیا تھا اور اُس کی شکل وصورت اِنسان جیسی تھی۔ ہُبل کے سامنے سات مقدّس تیر ہر وقت پڑے رہتے تھے جن میں سے کسی پر "ہاں" (نعم) اور کسی پر "ناں" (لا) لکھا ہوتا۔ توہم پرست عرب جب بھی کوئی اہم کام کرنا چاہتے تو ان مقدس تیروں سے قرعہ نکالتے تھے۔ پھر ہاں یا ناں کی صورت جو کچھ بھی نِکلتا اُس پر سختی سے عمل کرتے تھے۔

ان سب بُتوں کو حضورؐ نے پاش پاش کر دیا۔ آپؐ ایک لکڑی سے ان سب کو باری باری ٹھوکر لگاتے جاتے اور یہ آیات پڑھتے جاتے: "حق آیا اور

فتح مکہ کے بعد آنحضورؐ نے کعبہ کے تمام بُت توڑ ڈالے اور دروازے کے باہر اُن کا
ڈھیر لگا دیا

باطل کو شکست ہوئی اور باطل تو مٹنے ہی والی چیز ہے۔" (سورہ بنی اسرائیل)۔ کعبہ کے اندر لکڑی کے بنے ہوئے مقدس کبوتر بھی تھے۔ آپ نے ان کو اپنے دستِ مبارک سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ کچھ بُت قدرے اونچے نصب تھے۔ وہاں تک آپ کا ہاتھ نہیں پہنچتا تھا۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے کندھے پر چڑھایا۔ انھوں نے آپ کے کندھے پر کھڑے ہو کر ان تمام بتوں کو توڑ توڑ کر گرا دیا۔

کعبے کے اندر بعض نبیوں اور فرشتوں کی تصویریں اور مجسمے بھی موجود تھے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل کے ان مجسموں کے ہاتھوں میں جوئے اور فال کے تیر تھما دیے گئے تھے۔ ان مجسموں پر حضورؐ کو سخت غصہ آیا۔ آپ نے فرمایا "خدا قریش کو تباہ کرے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ان مقدس پیغمبروں نے کبھی جوا نہیں کھیلا۔" کعبہ کی دیوار پر حضرت عیسیٰؑ کی رنگین تصویر بھی بنائی گئی تھی۔ اسے بھی مٹا دیا گیا۔ مگر اس تصویر کے دھندلے نقوش کچھ عرصہ بعد تک بھی کعبہ کی دیواروں پر نظر آتے رہے۔

خانہ کعبہ کے علاوہ مکہ کے نواحی علاقوں میں بھی متعدد بڑے بڑے بُت نصب تھے۔ جن کے ارد گرد حج کی سی رسمیں ادا کی جاتیں اور بُتانِ کعبہ کی طرح ان کا بھی بے حد احترام ہوتا تھا۔ ان میں سے سب سے بڑے بُت لات، منات اور عزیٰ تھے۔ جاہل عرب عوام کا اعتقاد تھا کہ خدا سردیوں میں لات اور گرمیوں میں عزیٰ کے ہاں رہتا ہے۔

بُت پرستی کے ان چکروں میں سارا عرب بہت بُری طرح پھنسا ہُوا تھا۔ انہی "برگزیدہ" بُتوں کی مخالفت کی وجہ سے کفار آپ کے جانی دشمن بن گئے تھے مگر اب ان کے دن پُورے ہو چکے تھے اور حضورؐ کی ضرب کاری سے دیکھتے ہی دیکھتے یہ سب بُت اپنے اصل انجام کو جا پہنچے۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

فتحِ مکہ اور تطہیر کعبہ کے سارے مراحل نہایت خوش اسلوبی سے طے ہوئے۔ مسلمانوں نے خود لوٹ مار کی نہ کسی کو کرنے کا موقع دیا۔ اللہ کا گھر گمراہ کُن بتوں، مجسموں اور تصویروں کی غلاظت سے پاک ہوا تو آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ چنانچہ حرم کعبہ کی طہارت اور اس کی دیرینہ عظمت کی بحالی کے بعد مسلمانوں نے آپؐ کی امامت میں وہاں پہلی باقاعدہ نماز ادا کی اور اللہ تعالےٰ کا شکر بجالائے۔

مکہ کی فتح حضورؐ کے اُس تعمیری جہاد کی آخری کڑی تھی جس کی ابتدا بھی مکہ ہی سے ہوئی تھی۔ اِس مبارک دن بڑے بڑے مجرموں کو بھی معافی دے دی گئی اور بغیر کسی تناؤ یا تصادم کے شہر کے کونے کونے کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا گیا۔ مکہ میں آپؐ نے تقریباً دو ہفتے قیام فرمایا اور اِس مختصر سے عرصے میں اپنے سارے مشن کو مکمل کر دیا۔

سقوطِ مکہ کا ایک بڑا پہلو یہ بھی ہے کہ کعبہ کی کھوئی ہوئی طہارت اور عظمت کو بحال کر دیا گیا اور اُن تمام گمراہ کُن بتوں، مجسموں اور تصویروں کو ضائع کر دیا گیا جو اُس کی عزت و عظمت پر بدنما داغ بنے ہوئے تھے۔ ہر خاص و عام کو فیاضانہ معافی دے کر مسلمانوں نے ایک ایسی مہذب روایت کی بنا ڈالی جو ہر فاتح کے لیے مشعل راہ بن سکتی ہے۔

فتحِ مکہ کے بعد بھی مسلمانوں نے جزیرہ نمائے عرب اور دوسرے ممالک میں تبلیغ و جہاد کے پروگرام پوری شد و مد سے جاری رکھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تعلیمات کا اُجالا ہر طرف پھیلتا ہی چلا گیا۔

15

محبت اور امن کا منشورِ اعظم

- آخری حج کا تاریخی قافلہ
- ارکانِ حج کی ادائیگی
- محبت اور امن کا منشورِ اعظم
- بات سمجھانے کا انوکھا انداز
- اسلامی طرزِ زندگی کی تکمیل
- آخری حج کے مختلف نام

فتح مکہ کے بعد اسلام بڑی تیزی سے جزیرہ نمائے عرب کے گوشے گوشے میں پھیل چکا تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمرانی ہر سمت تسلیم کر لی گئی تھی۔ ہر طرح کے قبیلے بھانت بھانت کے بتوں کی پوجا سے منہ موڑ کر ایک خدا کی عبادت پر راضی ہو چکے تھے۔ یہی خونخوار قبائل چند ہی سال پہلے ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ وہ ایک دوسرے کے خلاف قتل و غارت کے نہ ختم ہونے والے سلسلوں میں بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ اسلام کے جھنڈے تلے آتے ہی ان کے دلوں سے نفرت، عداوت اور تشدد کی غلاظتیں ختم ہو گئیں۔ وہی تلواریں جو پہلے ذاتی بغض و عناد اور فضول باتوں پر ایک دوسرے کی گردنوں پر برس پڑتی تھیں، اب تہذیب و تمدن کی ترقی اور وطن کے دفاع کے لیے وقف ہو گئیں۔

آخری حج کا تاریخی قافلہ

The Historic Hajj Caravan

ذوالقعدہ ۱۰ ہجری کے آخری دنوں کی بات ہے کہ حضورؐ حج کی تیاریوں میں مصروف نظر آنے لگے۔ پھر آپؐ نے مسلمانوں کو بھی اپنے ہمراہ جانے کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ بس پھر کیا تھا اس خوشخبری سے تمام جزیرہ نمائے عرب میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ پہاڑوں، وادیوں، میدانوں اور صحراؤں کو عبور کرتے ہوئے اَن گنت لوگوں کے پُرجوش ہجوم مدینہ منورہ کا رُخ کرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مدینہ کے گرد و نواح میں خیموں کا ایک بہت بڑا شہر آباد ہو گیا۔ حج کے لیے حضورؐ کے ساتھ جانے کے لیے ان بے قرار لوگوں کی تعداد ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ یہ وہی لوگ تھے جو آج سے کچھ عرصہ پہلے نفرتوں اور عداوتوں کی دلدلوں میں دھنسے ہوئے تھے۔ مگر اب وہ سب اخوت اور اُلفت کی نہ ٹوٹنے والی لڑی میں پرو دیئے جا چکے تھے۔ اُن کے درمیان سگے بھائیوں سے بھی زیادہ شدید محبت کے جذبے موجزن ہو چکے تھے۔ اُن کے دل و دماغ برائیوں اور جہالتوں کے خلاف ٹھوس محاذ آرائی کی شکل اختیار کر چکے تھے۔

محبت و اخوت کے اِس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کو ساتھ لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ ذوالقعدہ ۱۰ ہجری (۲۲ فروری ۶۳۲ء) کو مدینہ سے مکّہ کی جانب روانہ ہوئے۔ جب یہ عظیم الشان قافلہ ذوالحلیفہ پہنچا تو میرِ کارواںؐ نے پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ اس مقام پر قافلہ نے رات بسر کی۔ صبح کی نماز کے بعد سارے قافلہ نے احرام باندھ لیے۔ انسانی اخوت اور مساوات کا یہ رُوح پرور سماں بے حد دلفریب تھا۔ احرام کا لباس ایک تہبند اور ایک چادر پر مشتمل تھا۔ سارا قافلہ ایک قسم کا سادہ لباس پہن کر انسانوں کا ایک ایسا بے نظیر اجتماع دکھائی دیتا تھا جس میں امیر غریب کی اُونچ نیچ کا رہا سہا فرق بھی

ختم ہو چکا تھا۔

Performance of Hajj ارکانِ حج کی ادائیگی

احرام باندھنے کے بعد جب یہ قافلہ تکبیریں پڑھتا ہوا آگے روانہ ہوا تو ساری فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ نو دن کے مسلسل سفر کے بعد ۴ ذی الحجہ کو آپ مکہ پہنچے تو سیدھے خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ حجرِ اسود کو چوما۔ اللہ کے گھر کا سات مرتبہ طواف کیا مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھی۔ حجرِ اسود کو دوبارہ بوسہ دیا۔ اس کے بعد آپ کوہِ صفا تشریف لے گئے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی (تیز تیز چلنا) فرمائی۔

۸ ذی الحجہ کو حضورؐ مکہ سے منیٰ تشریف لے گئے اور وہاں میدانِ عرفات میں خیمہ لگا کر رات بھر قیام فرمایا۔ اگلی صبح نماز کے بعد آپ اپنی اونٹنی (قصواء) پر سوار ہوئے اور جبلِ عرفات کا رخ فرمایا۔ عرفات کی پہاڑی پر چڑھتے چڑھتے آپ کے گرد مسلمانوں کا مجمع اور بھی وسیع ہو چکا تھا۔ ان کی تکبیریں فضا میں گونج رہی تھیں۔

Manifesto of Love and Peace محبت اور امن کا منشورِ اعظم

سورج ڈھلنے کے بعد حضورؐ اونٹنی پر سوار ہو کر میدانِ عرفات کے وسط میں تشریف لے آئے اور اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے بلند آواز سے ایک ایسا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جو محبت اور امن کا منشورِ اعظم ثابت ہوا۔ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اس خطبہ کو تمام حاضرین تک پہنچانے کے لیے یہ طریق اختیار کیا گیا کہ آنحضورؐ ایک جملہ پورا کر کے چند لمحے خاموش ہو جاتے اور پھر ربیعہؓ بن امیہ اسی جملہ کو بلند آواز سے دہراتے۔ اس طرح سارے اجتماع نے آپ کا پورا خطبہ اچھی طرح سنا اور اسے

ذہن نشین کر لیا۔ اس خطبے کا اکثر و بیشتر حصّہ یوں ہے۔ اللہ تعالےٰ کی تعریف کے بعد آپؐ نے فرمایا :

" اے لوگو! میری بات اچھی طرح سُن لو۔ کیونکہ شاید میں اس سال کے بعد تم سے اس جگہ پھر کبھی نہ مل سکوں۔

اے لوگو! قیامت تک کے لیے تمھاری جانیں اور تمھاری مال ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہیں جس طرح یہ دن اور یہ مہینہ محترم ہیں۔

عنقریب تم اپنے رب سے ملوگے۔ وہ تم سے تمھارے اعمال کی جواب دہی کرے گا۔ اچھی طرح جان لو کہ میں نے تمھیں تمھارے پروردگار کی باتیں پہنچا دی ہیں۔

جس شخص کے پاس کسی کی کوئی امانت ہو وہ اُسے اُس کے مالک کے پاس لوٹا دے۔ آج ہر قسم کا سُود ختم کیا جاتا ہے۔ تم صرف اصل رقم کے حقدار ہو۔ تم کسی پر ظلم نہ کرو۔ تمھارے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یاد رکھو، جس قدر خون زمانہ جاہلیت کے تھے سب ختم کیے جاتے ہیں۔ اور سب سے پہلے زمانہ جاہلیت کا جو خون میں معاف کرتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا ہے۔

اے لوگو! تمھارے اس ملک میں شیطان اپنی پرستش سے ہمیشہ کے لیے نااُمید ہو گیا ہے۔ البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں جنھیں تم بڑے گناہوں میں شامل نہ کروگے، اس کی پیروی کروگے اور وہ اس پر خوش ہو گا۔ شیطان سے اپنے دین کی حفاظت تم پر لازم ہے۔

اے لوگو! تمھاری عورتوں پر تمھارا حق ہے۔ اور تمھاری عورتوں کا بھی تم پر حق ہے۔ عورتوں پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ کسی غیر مرد کو اپنے قریب نہ آنے

ہیں۔ یہ بات تمھارے لیے غیظ و غضب کا موجب ہوگی۔ نیز وہ بے حیائی کے ارتکاب سے بالکل کنارہ کشی اختیار کریں۔ عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے رہو۔

اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو! کیونکہ میں نے خدائی پیغام تم تک پہنچا دیا ہے۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم انھیں مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور اُس کے نبیؐ کی سُنّت۔

اے لوگو! میری باتیں بڑے دھیان سے سُنو! دیکھو، ہر مسلمان دُوسرے مُسلمان کا بھائی ہے، اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس لیے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی رضامندی کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لے۔ تم ایک دُوسرے پر ظلم کرنے سے باز رہو۔

اے اللہ! تُو سُن رہا ہے کہ میں نے تیرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔

بات سمجھانے کا انوکھا انداز

Novel Communication Method

سارے اجتماع نے بڑے غور سے حجۃ الوداع کا یہ تاریخی خطبہ سُنا۔ آنحضورؐ چاہتے تھے کہ آپ کا یہ اہم خطبہ لوگ اچھی طرح سُن سمجھ لیں اور اس کے بنیادی نکتے پلّے باندھ لیں۔ اس لیے اصل مفہوم کو اور زیادہ واضح اور دلچسپ رنگ دینے کے لیے آپ مناسب وقفوں پر حاضرین سے سوال جواب بھی کرتے جاتے تھے، مثلاً

حضورؐ: "کیا تم جانتے ہو کہ آج کون سا دن ہے؟"

حاضرین: "آج حج اکبر کا دن ہے۔"

حضورؐ: "تو پھر یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک تمھارے خون اور تمھارا مال و دولت ایک دُوسرے پر اسی طرح حرام کر دیے ہیں، جس طرح اُس نے اس دن اور اس مہینہ کی حُرمت کو قائم کیا ہے۔"

خطبہ ختم ہوا تو آپؐ نے فرمایا: "کیا میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا ہے؟" ہر طرف سے صدائیں بلند ہوئیں: "یقیناً، یقیناً۔" اس پر آپؐ نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے تین بار فرمایا: "اے اللہ! گواہ رہنا، میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

اسلامی طرزِ زندگی کی تکمیل

اس تاریخ ساز خطبے کے بعد آپؐ اپنی اونٹنی سے نیچے اُترے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں ادا فرمائیں اور اونٹنی پر سوار ہو کر عرفات کے مقام پر جا ٹھہرے۔ یہیں اس مقام پر یہ پُرشکوہ آیتیں نازل ہوئیں:

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔
اور اپنی نعمت تم پر مکمل کر دی۔
اور تمہارے لیے دین اسلام پسند کر لیا۔"
(سورہ المآئدہ)

آپؐ نے یہ آیات اُسی وقت لوگوں کو سُنا دیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ آیات سُنیں تو وہ بے اختیار رو پڑے۔ آپؓ بے حد ذہین صحابی تھے۔ آپؓ نے فوراً بھانپ لیا کہ اب جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے اور حضورؐ اپنے سارے فرائض ادا کر چکے ہیں تو آپؐ کی وفات بھی نزدیک ہی ہوگی۔

رسول کریمؐ عرفات سے مزدلفہ پہنچے۔ رات وہیں قیام فرمایا۔ صبح کی نماز کے بعد آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے۔ راستے میں جمرہ کے مقام پر رمی (شیطان پر کنکریاں پھینکنا) فرمائی اور منیٰ میں اپنے خیمہ میں واپس تشریف لے آئے۔ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آپؐ اپنے ساتھ قربانی کے لیے ایک سو اونٹ لے آئے تھے۔

تریسٹھ اُونٹ تو آپؐ نے اپنی طرف سے اپنی مبارک عمر کے ہر سال کے عوض میں ایک کے حساب سے بطور قربانی ذبح کیے۔ باقی سینتیس اُونٹ حضرت علیؓ نے ذبح کیے۔ اس کے بعد حضورؐ نے سر کے بال منڈوائے۔ پھر احرام کھولا اور یوں حج کی تمام رسُومات سے فارغ ہُوئے۔

آخری حج کے مختلف نام

اِس تاریخی حج کو اِن مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے :

۱۔ حجۃ الوداع (آخری حج)

۲۔ حجۃ الاسلام (اسلام کا حج)

۳۔ حجۃ البلاغ (تبلیغ کا حج) اور

۴۔ حجۃ الاکبر (سب سے بڑا حج)

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب نام اپنی اپنی جگہ درُست ہیں۔ یہ حج اِن معنوں میں حجۃ الوداع تھا کہ یہ ہمارے پیارے رسولؐ کا آخری حج تھا۔ اس کے بعد آپؐ کو مکّہ مکرمہ کی زیارت اور طواف کعبہ کا موقع نہ مِل سکا۔ حجۃ الاسلام اس طرح تھا کہ دینِ اسلام کی تکمیل کا باضابطہ اعلان بھی اسی حج کے دوران ہُوا تھا۔ حجۃ البلاغ بھی اس لحاظ سے موزوں نام ہے کہ اس حج کے دوران حضورؐ نے وہ تمام اہم باتیں لوگوں تک پہنچا دیں جنھیں پہنچانے کے بارے میں آپؐ کو خُدا کی طرف سے حکم ہُوا تھا۔ اسے بجا طور پر حجۃ الاکبر بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ حج ہر اعتبار سے سب سے بڑا حج تھا۔ ایسا عظیم المرتبہ حج پہلے کبھی ہُوا تھا اور نہ ہی آیندہ کبھی ہوگا۔

16

Death of the Great Beloved

محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی

- مرض موت کی شدتیں
- "عمرؓ نہیں ابوبکرؓ"
- زندگی کا آخری دن
- آخری باتیں، آخری بوسے
- تدفین سے قبل انتشار کا خاتمہ
- آخری غسل، دیدار اور جنازہ
- حضورؐ کی تدفین کے واقعات

انسانوں کی بہتری اور بھلائی کی ٹھوس بنیادیں رکھ چکنے کے بعد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلابی مشن مکمل ہو چکا تھا۔ اب یوں دکھائی دیتا تھا جیسے آپؐ کو معلوم ہو چکا تھا کہ آپؐ عنقریب دُنیا سے جُدا ہونے والے ہیں۔ جون ۶۳۲ء کی بات ہے کہ آپؐ اپنے ایک آزاد شدہ غلام اور قریبی دوست کے ہمراہ آدھی رات کے سناٹے میں مدینہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع تشریف لے گئے۔ قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے بعد آپؐ نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ آپؐ عنقریب اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں۔ ۱۱ ہجری کے دوران آپؐ نے سفرِ آخرت کی باقاعدہ تیاریاں شروع کر دیں۔ چنانچہ آپؐ کی عبادات اور اعتکاف لمبے ہوتے چلے گئے۔

جنت البقیع کا قبرستان جہاں آنحضورؐ وفات سے کچھ روز پہلے رات کے سناٹے میں
[illegible]

آپؐ خوب جانتے تھے کہ لوگ آپؐ سے والہانہ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لیے آنے والی جدائی کے صدمے سہنے کے لیے آپؐ نے لوگوں کو طرح طرح کے طریقوں سے تیار کرانا شروع کر دیا۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ "آیندہ حج میں تمھیں شاید نظر نہ آؤں"۔ ایک دفعہ آپؐ کوہِ اُحد تشریف لے گئے۔ شہدائے اُحد کے لیے فاتحہ کے بعد آپؐ نے اُنھیں مخاطب کرتے ہُوئے فرمایا: "میں عنقریب تم سے ملوں گا"۔ اور وہاں سے واپسی پر تو آپؐ نے اپنی جدائی کا بالکل واضح اعلان کر دیا تھا۔ وفات سے چند روز قبل ہی حضورؐ نے ایک بڑے اجتماع کو خطاب کرتے ہُوئے لوگوں کو بیش بہا نصیحتوں سے نوازا اور ساتھ ہی اپنے وصال کے بارے میں بھی آگاہ کر دیا۔ یہ آپؐ کا آخری عوامی خطاب تھا۔

مرضِ موت کی شدّتیں

Agonies of Death Disease

تھوڑی بہت درد تو آپؐ کافی عرصہ سے محسوس کر رہے تھے۔ مگر جُون ۶۳۲ء میں درد کی یہ کیفیت شدّت اختیار کرنے لگی۔ ۲۹ صفر ۱۱ ہجری پیر کے دن آپؐ ایک جنازہ میں شرکت سے واپس لوٹے تو آپؐ کو سخت درد ہو رہا تھا۔ ایک صحابی نے درد کی شدّت کے بارے میں پُوچھا تو آپؐ نے فرمایا: "کوئی شخص نبیوں سے زیادہ تکلیفیں نہیں سہتا۔ اسی لیے اُن کا اجر بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے"۔ آخری بیماری کا عرصہ تیرہ چودہ دن ہے۔ اس میں سے پہلے گیارہ دن تو حضورؐ باقاعدگی سے مسجدِ نبوی جا کر نمازوں کی امامت فرماتے رہے۔ وفات سے پانچ روز پہلے بخار اور درد کی شدّت انتہا کو جا پہنچی تو آپؐ نے حکم دیا کہ غسل کے لیے مدینہ کے مختلف کنوؤں سے سات لبالب بھرے مشکیزے لائے جائیں۔ ٹھنڈے پانی سے جی بھر کے نہانے سے آپؐ کو قدرے افاقہ محسوس ہُوا۔ اسی حالت میں

آپ مسجد تشریف لے گئے اور لوگوں سے خطاب کیا۔ آپ نے انہیں نصیحت فرمائی کہ اُن کی وفات کے بعد اُن کی قبر کو عبادت گاہ نہ بنا دیا جائے۔

اس کے بعد آپ واپس گھر تشریف لے آئے۔ درد پھر شدت پکڑنے لگا۔ آپ بہت ضعیف دکھائی دیتے تھے۔ کچھ مسلمان حبشہ سے ایک خاص دوائی لائے تھے۔ حضرت عباسؓ نے نیم غشی کی حالت میں یہ دوائی آپ کو پلادی۔ جب آپ کی طبیعت قدرے سنبھلی تو آپ نے بلا اجازت دوائی پلانے پر اظہار ناراضی فرمایا۔ اور ایک دلچسپ سزا کے طور پر اس وقت موجود سب افراد کو وہی دوائی پینے کا حکم دیا۔

"عمرؓ نہیں ابوبکرؓ"

جب بیماری مزید شدت اختیار کرگئی تو آپ نے حکم دیا کہ ابوبکرؓ نمازوں کی امامت کرائیں۔ چنانچہ انھیں یہ سعادت نصیب ہوئی کہ انھوں نے حضورؐ کی زندگی میں سترہ نمازوں کی امامت کی۔

حضرت عائشہؓ نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ جب حضورؐ نے یہ حکم دیا کہ اُن کی علالت کے دوران ابوبکرؓ امامت کریں تو عائشہؓ نے اس پر اعتراض کیا انھوں نے عرض کیا کہ اُن کے والد نازک طبع انسان ہیں۔ اُن کی آواز دھیمی ہے قرآن حکیم پڑھتے وقت اُن پر بار بار رقت طاری ہوجاتی ہے۔ اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوجاتی ہیں۔ ویسے بھی عائشہ کو خدشہ تھا کہ حضورؐ کی زندگی میں لوگ کسی دوسرے کی امامت پسند نہیں کریں گے۔ اس لیے اپنے والد کی امامت انھیں کسی پہلو سے بھی مناسب دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مگر حضورؐ نے اپنے حکم میں کسی قسم کی ترمیم سے انکار کر دیا۔

اسی دوران ایک دفعہ حضرت بلالؓ اذان دے چکے تو آپ نے فرمایا کہ

کسی کو امامت کے لیے کہا جائے۔ عبداللہؓ بن زمان حضرت ابوبکرؓ کو ڈھونڈنے نکلے تو انھیں وہ کہیں نظر نہ آئے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ قریب ہی مل گئے انھوں نے عمرؓ کو امامت کے لیے راضی کر لیا۔ مگر حضرت عمرؓ نے ابھی اللہ اکبر ہی کہا تھا کہ حضورؐ نے اُن کی پُرشکوہ آواز پہچان لی۔ آپؐ نے فوراً فرمایا: "عمرؓ نہیں ابوبکرؓ امامت کریں گے۔" چنانچہ ابوبکرؓ کی از سرِ نو تلاش شروع ہوئی۔ اُدھر عمرؓ نماز کرواتے رہے۔ اِسی اثنا میں حضرت ابوبکرؓ کو تلاش کر لیا گیا۔ مگر ان کے مسجد پہنچتے پہنچتے حضرت عمرؓ نماز مکمل کر چکے تھے۔

جب حضرت عمرؓ کو اصل بات معلوم ہوئی تو انھیں اپنی امامت پر بے حد رنج ہوا۔ اُن کا خیال تھا انھیں امامت کے لیے حضورؐ کے حکم پر بلایا گیا ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ نے اُن سے معذرت کرتے ہوئے کہا "جب مجھے ابوبکرؓ کہیں نظر نہ آئے تو میں نے سمجھا کہ ان کی غیر حاضری میں آپؓ ہی امامت کے مستحق ہو سکتے ہیں"۔

His last day on earth — زندگی کا آخری دن

اتوار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیے۔ درحقیقت یہ غلام تو پہلے ہی آزاد افراد سے بھی زیادہ حقوق و مراعات سے نوازے جا رہے تھے۔ آپؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس کچھ جَو کے عوض گروی پڑی تھی۔ آپؐ کا باقیماندہ اسلحہ بیت المال کے حوالے کر دیا گیا۔

حضورؐ کے پاس موجود کل نقدی سات دینار تھی، جسے آپؐ نے خیرات میں تقسیم کرنے کے لیے رکھا تھا۔ آپؐ کی علالت کی پریشانیوں میں حضرت عائشہؓ اس حکم کی تعمیل بھول گئیں۔ علالت کے آخری روز جب حضورؐ کو اطمینان کے چند سانس نصیب ہوئے تو آپؐ نے ان دیناروں کے بارے میں پوچھا۔ عائشہؓ

نے کہا کہ وہ تو ابھی تک بچّوں کے ٹُوں پڑے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "دینار منگوائے جائیں"۔ دینار ہاتھ میں لیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا "اگر یہ دینار اللہ کی راہ میں خرچ کیے بغیر یونہی پڑے رہتے تو میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیتا؟" پھر آپؐ نے سارے دینار حاجت مندوں میں تقسیم کر دیے۔

اُس تاریکی دن حضرت عائشہؓ کے گھر میں روشنی کے لیے تیل تک میسّر نہ تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے دیا جلانے کے لیے ایک پڑوسن سے تیل اُدھار لیا۔ لوگوں کو ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کرنے والے محسنِ اعظم کی شامِ زندگی کا آخری چراغ بھی اُدھار تیل سے جلانا پڑا۔ ایثار اور قربانی کی کتاب میں حضورؐ آخری لمحوں تک بھی حیرت انگیز باب باندھتے رہے۔

آخری باتیں، آخری لمحے

اسی روز ایک بار بسترِ مرگ پر لیٹے لیٹے آپؐ نے اپنے حجرہ مبارک کے دروازے کا پردہ سرکایا اور مسجدِ نبوی پر نگاہ ڈالی تو حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھاتے دکھائی دیے۔ اس رُوح پرور نظارہ سے آپؐ کی طبیعت باغ باغ ہو گئی۔ پچھلی رات آپؐ قدرے اطمینان سے سوئے بھی تھے۔ چہرہ مبارک پر شگفتگی لوٹ آئی۔ طبیعت قدرے سنبھلی تو عباسؓ اور علیؓ کا سہارا لیتے ہوئے آپؐ مسجد تشریف لے گئے۔

مسجد سے واپسی پر آپؐ کی طبیعت پھر بگڑنے لگی۔ آپؐ حضرت عائشہؓ کی گود میں لیٹ گئے اور حضرت فاطمہ بتولؓ کو بلا بھیجا۔ وہ آئیں تو ان کے کان میں آہستہ سے فرمایا: "میں دُنیا سے رُخصت ہو رہا ہوں"۔ دُوسری آخری بات جو آپؐ نے اپنی پیاری بیٹی کے کان میں کہی یہ تھی: "ہمارے خاندان میں سے تم پہلی خاتون ہو گی جو جنّت میں مجھ سے ملے گی"۔ باپ کو شدید درد میں مُبتلا دیکھ کر فاطمہؓ رونے لگیں

تو آپ نے انھیں منع فرمایا۔ پھر آپ نے دونوں نواسوں حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا اور ان کے بوسے لیے۔ اسی دوران آپ کی حالت تیزی سے بگڑتی جارہی تھی۔ مگر اس حالت میں بھی آپ کے ہونٹوں پر یہ الفاظ تھے "نماز، نماز اور تمھارے غلام"

اس دن (۸ جون) کو بلا کی گرمی تھی۔ بستر مرگ کے قریب ٹھنڈے پانی سے بھرا مٹی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ گاہے گاہے اس میں ہاتھ ڈبوتے اور تر ہاتھوں کو سر پر ملتے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ کا لڑکا عبدالرحمٰنؓ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی۔ حضورؐ نے عائشہؓ کو اشارہ کیا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ عائشہؓ نے مسواک اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کی اور پھر حضورؐ کے ہاتھ میں تھما دی۔ آپ نے اسے زور زور سے دانتوں پر ملا۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد مسواک آپ کے ہاتھ سے کھسک کر گر پڑی۔ کافی عرصہ بعد حضرت عائشہؓ نے اس واقعہ کو بڑے فخر اور اعزاز سے بیان کرتے ہوئے کہا: "اس ناقابلِ فراموش روز بھی اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کے لعابِ دہن ملا دیے"

بے ہوشی سے چند ہی لمحے پہلے آپ کے منہ سے یہ الفاظ سنے گئے:

۱۔ اللہ اُن لوگوں کو برباد کرے جو نبیوں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنا دیتے ہیں۔

2۔ جزیرہ نمائے عرب میں دو مذاہب (یہودیت اور عیسائیت) کا کوئی مقام نہیں۔

اور پھر ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کی پیر کو آخرہ جانکاہ سانحہ رُونما ہو ہی گیا جس کا حضورؐ کے پروانوں کو عرصہ سے خدشہ لاحق تھا۔ حضورؐ پر وفات کی غشی طاری ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ "حضورؐ ابھی میری گود ہی میں تھے کہ اُن کا سانس اکھڑنا شروع ہوا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اُن کا جسدِ مبارک اچانک بوجھل

ہو گیا ہو۔ آپ کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ میں نے آپ کی آنکھوں پر نگاہ ڈالی تو وہ جم چکی تھیں۔" وہ المناک لمحہ آ پہنچا جب محسن انسانیت اپنے خالق حقیقی سے جا ملے

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اس پیر کو آپ کی عمر کے تریسٹھ سال پورے ہونے میں بھی آٹھ دن باقی تھے۔ درحقیقت پیر کا دن آپ کی زندگی میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ آپ پیر کو پیدا ہوئے۔ پیر کو آپ نے حجر اسود کے ہنگامہ کا تصفیہ کرایا۔ پیر کے دن ہی آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کا سفر بھی پیر کے روز شروع ہوا اور پیر ہی کو آپ مدینہ پہنچے۔ اور پھر پیر ہی کو آپ ہم سے جدا ہوئے۔

تدفین سے قبل انتشار کا خاتمہ

Ending confusion Before Burial

حضورؐ کے انتقال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح جزیرہ نمائے عرب کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ مسلمانوں پر حسرت و یاس کے بادل امڈ آئے۔ حضرت عمرؓ نے تو آپ کی وفات کی خبر تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت مدینہ سے باہر اپنی بیوی کے آبائی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ جب آپ نے یہ خبر سنی تو ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر فوراً مدینہ پہنچے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ گرماگرم تقریر کر رہے ہیں کہ حضورؐ کا انتقال نہیں ہوا۔ ادھر حجرہ عائشہؓ سے المناک آہوں اور سسکیوں کی صدائیں بھی متواتر بلند ہو رہی تھیں۔

اونٹ سے اترتے ہی حضرت ابوبکرؓ سیدھے حجرہ نبوی میں داخل ہوئے۔ جب آپؓ کو حضورؐ کی وفات سے متعلق ذاتی یقین ہو گیا تو آپؓ فوراً باہر تشریف لے آئے۔ آپؓ نے پریشان مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہا: "لوگو! آپ میں سے کوئی اگر محمدؐ کی پوجا کرتا تھا تو محمدؐ تو وفات پا چکے ہیں۔ مگر اگر آپ اللہ تعالےٰ

کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو زندہ اور لافانی ہیں۔" ابوبکرؓ کی باتوں سے حضرت عمرؓ سمیت تمام سامعین کو یقین آگیا کہ حضورؐ واقعی وفات پا چکے ہیں اور یہ کہ اب صبر و تحمل ہی سے کام لینا ہوگا۔ چنانچہ مجمع کا ہیجان آہستہ آہستہ ماند پڑتا گیا۔

اسی دوران اطلاع موصول ہوئی کہ سعد بن عبادہ کو حضورؐ کا زبردستی جانشین مقرر کرنے کے لیے چند فسادی ایک بڑا اجتماع منعقد کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ فوراً موقع پر جا پہنچے۔ وہاں گرما گرم تقریریں ہو رہی تھیں اور حالات بہت بگڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ مگر ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اپنی جرأت اور دانشمندی سے اضطراب اور انتشار کی اس فضا کو بھی بڑی عمدگی سے ختم کر دیا۔ پھر کثرتِ رائے سے حضرت ابوبکرؓ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ مقرر ہوئے۔ مسجدِ نبوی میں سب مسلمانوں نے آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پہلے ہی خطبہ میں صاف صاف اعلان کر دیا کہ "اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تو تم بھی میری فرمان برداری کرو۔ مگر اگر میرے قول و فعل سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی پائی جائے تو پھر تم پر میری اطاعت فرض نہیں رہتی۔"

آخری غسل، دیدار اور جنازہ

Last wash and last glimpse

حضرت ابوبکرؓ کے اعلانِ خلافت اور بیعتِ عام کے فوراً بعد حالات معمول پر آ گئے تو مسلمان حضورؐ کی تدفین کے اقدامات کی طرف متوجہ ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، ان کے دو صاحبزادے الفضل اور قثم، حضرت اسامہ اور حضورؐ کے آزاد کردہ غلام شقران آخری غسل میں شریک ہوئے۔ ایک بدری اوس بن خولی حضورؐ کے ساتھ جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ انھوں نے آخری غسل کی رسومات میں شرکت کی استدعا کی تو حضرت علیؓ نے انھیں بھی اجازت دے دی۔

اُس روز بلا کی گرمی تھی۔ مسلمانوں کے باہمی انتشار کے باعث حضورؐ کا
جسدِ مبارک کافی عرصہ بغیر غسل اور تکفین و تدفین پڑا رہا۔ مگر اس کے باوجود اُس
سے سارا عرصہ خوشبوؤں کی مہک آتی رہی۔ غسل کے بعد آپؐ کو کفن پہنایا گیا اور
پھر ایک چارپائی پر لٹا کر دیدارِ عام کے لیے رکھ دیا گیا۔ دیدار کا سلسلہ کافی دیر تک
جاری رہا۔ لوگ مسجدِ نبوی والے دروازے سے حجرہ میں داخل ہوتے اور آخری
دیدار کے بعد دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاتے۔

جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو ایک عجب جذباتی
سماں بندھ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھرائے ہوئے الفاظ میں آپؐ کو آخری سپاس عقیدت
پیش کیا۔ حضورؐ کی میت مبارک پر حضرت ابوبکرؓ کے اس مختصر سے خطاب سے
غم زدہ مسلمانوں کی ڈھارس بندھی اور اُن کے حزن و غم کا بوجھ قدرے ہلکا ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ خاکی جس جگہ دیدارِ عام کے لیے رکھا گیا تھا
وہ بہت تنگ تھی۔ اِس لیے بیک وقت ایک بڑی سی نمازِ جنازہ ناممکن تھی۔ چنانچہ
زائرین دس دس کی تعداد میں ایک دروازے سے اندر جاتے اور درود و سلام اور
نماز کے بعد دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے۔ اِسی طرح پھر اگلے دس افراد
اندر داخل ہو جاتے۔ یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔

حضورؐ کی تدفین کے واقعات

Moving Burial Episodes

حضورؐ کی تکفین و تدفین کے مختلف مراحل پر مسلمانوں میں متعدد امور پر
اختلافِ رائے ہوا۔ آپؐ کو کس شہر میں دفن کیا جائے؟ جب یہ بحث چل نکلی تو
تین مقام زیرِ غور آئے : (ا) بیت المقدس (ب) مکہ مکرمہ اور (ج) مدینہ منورہ۔
کافی بحث و تمحیص کے بعد بالآخر مدینہ ہی کو تدفین کے لیے بہترین شہر قرار دیا گیا۔ پھر

اس بات پر بھی اختلاف سامنے ہُوا کہ تدفین مدینہ کے کس مقام پر ہو۔ تین جگہیں تجویز ہوئیں :

(ا) حضورؐ کے صحابہ کرامؓ کی قبروں کے درمیان ۔

(ب) مسجدِ نبوی کے منبر کے پاس ۔ اور

(ج) حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں عین اُسی جگہ، جہاں آپؐ کا انتقال ہُوا تھا۔

آخر حجرہ ہی میں تدفین مناسب سمجھی گئی ۔ قبر کی ہیئت پر بھی بحث ہوئی۔ کچھ لوگ صندوق نما اور کچھ لحدی یا بغلی قبر کے حق میں تھے ۔ مکّہ کے لوگ اپنے مُردوں کے لیے صندوق نما اور اہلِ مدینہ لحدی یا بغلی قبر بنایا کرتے تھے ۔ آخر فیصلہ ہُوا کہ جس قبر کا ماہر سب سے پہلے دستیاب ہو جائے بس اُسی قسم کی قبر کھود لی جائے ۔ ابوطلحہؓ لحدی قبر کھودنے کے ماہر تھے ۔ اتفاق سے وہی پہلے ہاتھ آ گئے ۔ اور یوں حضورؐ کی تدفین کے لیے لحدی قبر تیار کر لی گئی ۔

قبر کی کھدائی مکمل ہوئی تو تدفین کے لیے بھی اُنہی افراد کی ٹیم قبر میں اُتری جس نے آپؐ کو آخری غسل دیا تھا ۔ اس مرحلہ پر بھی اوس نے حضرت علیؓ سے ٹیم کے ساتھ قبر میں اُترنے کی خصوصی اجازت لے لی ۔ مغیرہ بن شعبہ نے قبر سے باہر نکلنے والے آخری فرد کا اعزاز حاصل کرنے کے لیے ایک عجیب چال چلی ۔ جب سب لوگ قبر سے باہر نکل آئے تو مغیرہ نے اپنی انگشتری جان بوجھ کر قبر میں پھینک دی اور لوگوں سے کہنے لگا : "میری انگشتری قبر میں گر گئی ہے ۔ میں ذرا اِسے اُٹھانے کے لیے نیچے اُتر رہا ہوں ۔ ویسے بھی قبر میں پاؤں کی جانب ایک نقص رہ گیا ہے ۔ اسے بھی درُست کر ڈالوں گا ۔" چنانچہ وہ چالاک نوجوان قبر میں اُتر گیا اور اُس وقت ہی باہر نکلا جب باہر کھڑے لوگوں نے قبر کو مٹی سے خاصا بھر دیا تھا ۔

تدفین کا جانکاہ عمل آخر ختم ہُوا ۔ افسردہ چہرے گھروں کو لوٹنے لگے ۔

غم زدہ فاطمہؓ نے انسؓ سے کہا :

"اے انسؓ! تم اپنے نبیؐ کی قبر میں مٹی ڈالنے پر کیسے رضامند ہوئے؟"

آنسوؤں میں غرق انسؓ جواب میں کچھ نہ کہہ پائے۔

پیارے والد کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ نہ دیکھی گئی۔ اس اندوہناک سانحہ کے بعد وہ پریشانیوں اور غموں کے بوجھ تلے دب گئیں۔ اور پھر صرف چھ ماہ زندہ رہنے کے بعد وہ بھی جنت روانہ ہو گئیں۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر پبلشر

پیارے نبیؐ کی پیاری کہانیاں

- یہ ایوارڈ یافتہ تصویری کتاب سیرتِ رسولِ مقبولؐ پر اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے۔ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی کے تمام دل چسپ واقعات کو کہانی کے ڈرامائی انداز میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے لطف اندوز بھی ہوں اور زندگی سنوارنے پر مائل بھی!

- ڈاکٹر عبدالرؤف لندن یونیورسٹی سے بچوں کی نفسیات میں امتیاز کے ساتھ پی۔ ایچ۔ ڈی کر چکے ہیں۔ آپ اسلامی علوم اور تاریخ پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے مصنف کے دو اور شاہکار (۱) "بچوں کیلیے قرآن" اور (۲) "بچوں کیلیے حدیث" (اردو اور انگریزی) دنیائے اسلام کے کونے کونے میں مقبولِ عام ہو چکے ہیں ———

- آرٹ کا سارا کام نامور مصوّر جناب محمود حسن رومی کی زیرِ ہدایت ہوا ہے۔

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی